© rasailojaraid.com



# احکام وتاریخ اوقاف اسلامی

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

## ا

## تعریف وقف اسلامی

### روح اساسی وقفِ اسلامی

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے، کہ جس نے انسانوں کے سامنے "فلاح دارین" یعنی دونوں جہانوں کی کامیابی وکامرانی کا نظریہ بھرپور اور جامع طریقے سے پیش کیا ہے؛ اسی لیے اسلام میں جہاں "عاقبت" سنوارنے اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کے طریقے سکھائے گئے ہیں، وہاں موجودہ زندگی میں بھی کامیابی وترقی حاصل کرنے کے زرّیں اصول اور طریقے بیان کیے گئے ہیں، اور پھر اسلام نے ان دونوں جہانوں کی کامیابی کو باہم اس طرح مربوط ومتلازم کر دیا ہے، کہ ایک کے بغیر دوسرے کی کامیابی کا تصور ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جہاں عبادت کے طور طریقے سکھائے گئے ہیں، وہاں زندہ رہنے کے انداز بھی تعلیم کیے گئے ہیں اور جہاں حقوق اللہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں حقوق العباد کو بھی اساسی اہمیت دی گئی ہے۔

اسی بنا پر اسلام نے جہاں اپنے ماننے والوں کو "اگلی زندگی" میں سرخروئی حاصل کرنے کی تلقین کی۔ وہاں اس نے اس دنیا کو بھی بنانے اور سنوارنے کے لیے وسیع ہدایات عطا فرمائیں۔ پھر اسلام نے جہاں جہاں انسانی رویے۔ اخلاق اور کردار میں کوئی کمزوری دیکھی فوراً اس کی اصلاح کے لیے احکام وہدایات کا نزول فرما دیا۔ ایسی ہی ایک بشری کمزوری مال اور جائداد کی محبت بھی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وانّه لحبّ الخير لشديد[1]

ترجمہ: بے شک وہ (انسان) تو مال کی سخت محبّت کرنے والا ہے۔

دوسری جگہ اس سے بھی واضح تر الفاظ میں بیان کیا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ[2]

ترجمہ: لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں، یعنی عورتیں، بیٹے، سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔

غور طلب بات یہ ہے، کہ اسلام مال کمانے، مال رکھنے اور رزق حلال کھانے سے منع نہیں کرتا، بلکہ اسے وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ[3] قرار دے کر اس کی تلاش و جستجو کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، لہذا محولہ بالا آیات میں مطلق تونگری یا مال داری کی مذمت نہیں کی گئی، بلکہ اس مال داری اور اس تونگری کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے، کہ جس کی بنا پر دنیا میں حرص و آز کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، جس سے لوگوں میں صحیح اور غلط، حلال اور حرام نیز اچھائی اور برائی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے، جس سے دنیا میں بڑے بڑے قارون، بڑے بڑے فرعون و شداد اور بڑے بڑے ہامان و خاقان پیدا ہوتے ہیں

اسلام مل جل کر، باہمی اخوت و بھائی چارے کے ساتھ رہنے اور بسنے پر زور دیتا ہے،

---

[1] العادیات: ۸

[2] آل عمران: ۱۴

[3] الجمعہ: ۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اسی لیے اسلام نے جہاں "محنت"، کی عظمت بیان کر کے محنت مزدوری کرنے والے انسان کی قدر و منزلت بڑھائی اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ وہاں اس نے معاشرے کے متمول اور صاحبِ ثروت لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ معاشرے کے غریبوں، محتاجوں اور ضرورتمندوں کو خیرات نہیں، بلکہ ان کا حق ادا کریں۔ فرمایا:

وَفِيٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ [1]

ترجمہ: اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہے۔

اسی جذبے۔ یعنی سرمایہ پرستی اور زر اندوزی کی حوصلہ شکنی اور اخوت و بھائی چارے کے جذبے کے نشوونما کے لیے اسلام نے "انفاق فی سبیل اللہ" کا ایک مربوط نظام پیش کیا ہے۔

## انفاق فی سبیل اللہ کی وسعت

انفاق فی سبیل اللہ بظاہر تو ایک سادہ سا مرکب لفظ ہے، جس کے معنی ہیں، "اللہ کی راہ میں خرچ کرنا"، مگر یہ لفظ اپنے اندر اس قدر وسعت رکھتا ہے۔ کہ اس میں اسلام کے کئی ارکان اور معاملات کے بہت سے پہلو بخوبی سما جاتے ہیں۔ چنانچہ اس میں زکوٰۃ سے لے کر، صدقات، ہدایا اور روزمرہ کے اخراجات تک بہت سے پہلو شامل ہیں۔

بعض محققین کے خیال میں صدقہ بھی اپنے اندر وہی وسعت اور عمومیت رکھتا ہے جو لفظ انفاق فی سبیل اللہ میں ہے، اس اعتبار سے اسے انفاق فی سبیل اللہ کے مترادف لفظ خیال کرنا چاہیے [2]

پھر لفظ صدقہ خواہ "انفاق فی سبیل اللہ"، کا مترادف ہو، یا اس سے خاص،

---

[1] الذاریات۔ ۱۹

[2] انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ کی تفصیل امام ابو عبید القاسم بن سلام نے اپنی کتاب الاموال میں دی ہے (مطبوعہ اسلام آباد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بہر صورت یہ ایسے عطیے کی غمازی کرتا ہے، جو "صدق دل" یا "صدق نیت" کے ساتھ راہِ خدا میں صرف کیا جائے، گویا "صدقہ" کے لیے "خلوص نیت" کا ہونا بنیادی اور اوّلین شرط ہے۔[1]

پھر آگے بعض صدقات تو ایسے ہوتے ہیں، جو "صدقہ کنندہ" کی ملک سے نقل ہو کر دوسرے شخص کی مِلک میں داخل ہو جاتے ہیں، جیسے زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور دیگر صدقات نافلہ یا صدقات واجبہ وغیرہ، کہ ان سب کا یہی حکم ہے، جبکہ صدقات کی دوسری قسم ایسے صدقات پر مشتمل ہوتی ہے، کہ جو صدقہ کنندہ کی مِلک سے تو بے شک خارج جاتے ہیں، مگر کسی دوسرے فرد کی ملکیت قرار نہیں پاتے، بعض فقہاء (مثلاً احناف میں سے امام ابو یوسف و امام محمدؒ) صراحت کرتے ہیں، کہ اس صورت میں صدقہ براہ راست خداوند تعالیٰ کی ملک میں منتقل ہو جاتا ہے، کسی انسان کی مِلک میں باقی نہیں رہتا۔ صدقات کی اس نوع کو وقف (جمع اوقاف) کہا جاتا ہے۔ اس طرح لفظ صدقہ اور لفظ وقف میں باہم "عام اور خاص" کی نسبت ہے، گویا ہر وقف صدقہ ہے، مگر ہر صدقہ کا وقف ہونا ضروری نہیں۔

اس تفصیل سے ایک شبہے کا جواب بھی آگیا، وہ یہ کہ آخر کیا وجہ ہے، کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں لفظ "وقف" اس خاص مقصد کے لیے مستعمل نہیں ہے، یا بالفاظ دیگر قرآن و حدیث میں "وقف" کے عدم ذکر کی وجہ کیا ہے؟ تو چونکہ قرآن و حدیث میں بے شمار مقامات پر "انفاق فی سبیل اللہ" اور "صدقہ" کرنے کا ذکر آیا ہے، تو اس طرح بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث میں معنوی طور پر "وقف" کا ذکر موجود ہے، یا بالفاظ دیگر، قرآن و حدیث میں گو اس مقصد و مفہوم کے لیے لفظ وقف کہیں استعمال نہیں کیا گیا، تاہم اس کا بنیادی تصوّر واضح طور پر موجود ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

اس پس منظر میں وقف کی اصل روح کا تلاش کرنا بھی مشکل نہیں رہا۔ کیونکہ وقف کی

---

[1] ابو عبید القاسم بن سلام: کتاب الاموال، اردو ترجمہ، مطبوعہ اسلام آباد، بحث صدقہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


اصل روح لفظ صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ میں تلاش کی جاسکتی ہے ؛ یوں گویا اس کا مقصد بھی رضائے خداوندی کا حصول ہی ہے ، جس کا ذکر سورۃ الیل میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے :

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى [۱]

ترجمہ : اور جو بڑا پرہیزگار ہے ، وہ اس جہنم سے بچا لیا جائے گا ۔ جو اپنا مال دیتا ہے ، تاکہ پاک ہو، اور (اس لیے) نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان (رہے) جس کا وہ بدلہ اتارتا ہے ۔ بلکہ اپنے خداوند اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا ۔

## (ب) مشروعیت وحکمت :

اسلام میں "قانون وقف" کی ابتدا گویا "دور نبوی" سے ہو جاتی ہے ، اس لحاظ سے اس کی مشروعیت اور اجازت ہر شک و شبہے سے بالاتر ہے ؛ تاہم مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں وقف کی قانونی حیثیت مختلف فیہ رہی ہے ، گو اس کے بعد ہمیں تمام مسالک کے فقہاء اس کی بنیادی باتوں پر متفق نظر آتے ہیں ۔

"قانون وقف" کے ضمن میں ابتدائی دور کا مذکورہ اختلاف ، جس کی تفصیل ہمیں امام شافعیؒ کی کتاب الامّ میں ، سوال وجواب کی صورت میں ملتی ہے ، درحقیقت اس بارے میں چند شبہات یا زیادہ بہتر الفاظ میں چند غلط فہمیوں پر مبنی تھا ۔ ہمارے خیال میں یہ "غلط مبحث" ، زیادہ تر اصطلاح کی تبدیلی (صدقہ سے وقف) سے پیدا شدہ تھا ۔ اس اختلاف کو رفع کرنے میں احناف میں سے امام ابو یوسفؒ اور شوافع میں سے خود امام شافعی ہمیں پیش پیش نظر آتے ہیں ؛

---

[۱] الیل : ۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الام میں اس مکالمے کی پوری تفصیل لکھی ہے، جو ان کے کسی مخالف کے ساتھ ہوا تھا ؛ اس بحث کی ابتدا کرتے ہوئے امام لکھتے ہیں :

"بعض لوگ صدقات محرمات (اوقاف) میں ہمارے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی صدقۂ محرمہ (وقف) کیا، تو اس کا یہ صدقہ باطل ہوگا، اور صدقہ کردہ شیٔ زندگی میں بدستور اس کی اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کی ملکیت ہوگی، خواہ اس نے اس پر قبضہ کیا ہو، یا نہ"[1]

"قانونِ وقف" کی مخالفت کرنے والوں میں سب سے پہلا نام مشہور تابعی "قاضی شریح اور امام شعبی کا لیا جاتا ہے[2]

کیونکہ یہ دونوں جلیل القدر ائمہ فرمایا کرتے تھے، کہ

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حبیس (وقف شدہ) اشیاء کو فروخت فرمایا"[3]

اس ضمن میں ان کا استدلال حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک (مرفوع و موقوف) روایت سے تھا، کہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں

لاحبس عن فرائضِ اللہ[4]

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کے فرائض (مقرر کردہ شرعی حصّوں) سے کوئی شیٔ روک نہیں سکتی ۔

امام شافعیؒ اور دیگر فقہاء ان دونوں باتوں کی تردید فرماتے ہیں ؛ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الاُم میں نام لیے بغیر اپنے مخالفین سے جس مناظرے کا ذکر فرمایا ہے، اس میں مذکورہ بالا دونوں اقوال پر بھی کھل کر بحث کی ہے ۔

---

[1] کتاب الام، مطبوعہ مکتبہ الازھریۃ قاہرہ، ۴ : ۵۲ ۔

[2] السرخسی : المبسوط، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳ : ۲۷ - ۲۸ ۔

[3] السرخسی : المبسوط، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳ : ۲۸ - ۲۹ ۔

[4] کتاب الام، ۴ : ۵۲ - ۵۳ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن احباس (اوقاف) کو فروخت یا آزاد فرمایا، ان کا تعلق مشرکین کی بیہودہ رسوم سے تھا۔ مثال کے طور پر قرآن مجید نے مشرکین کے بحیرہ، سائبہ، وسیلہ اور حام[1] نام کے جانوروں کے عدم جواز کا ذکر فرمایا، تو آنحضورؐ نے اس حکم کا عملی نفاذ فرمایا اور ایسے تمام جانوروں کو ان کے سابقہ مالکان کی جانب لوٹا دیا۔ ورنہ دورِ جاہلیت میں جائیداد کی قسم کے اوقاف بالکل ہی موجود نہ تھے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آنحضورؐ نے جن احباس کو فروخت فرمایا تھا، ان کے عدم جواز کا حکم ابھی تک وہی ہے جو آپؐ کے زمانے میں تھا[2] جبکہ شمس الائمہ السرخسی امام شافعی کے اس موقف کی تائید کرتے ہوئے، ابن مسعود اور ابن عباسؓ کے مذکورہ قول کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں، کہ اس سے مراد باطل اوقاف ہیں، جائز اوقاف نہیں[3]

## امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اور حنفی ائمہ کا ردِ عمل

قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ۔ قاضی شریح اور امام شعبی کی طرح "وقف" متعلق بعض دیگر بزرگوں کا ذہن بھی صاف نہ تھا۔ ان میں "امام ابو حنیفہ" جیسی مقتدر شخصیت بھی شامل ہے۔

امام صاحب کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ "وقف" کو نہ تو انتقال ملکیت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کو عقد لازم قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں "وقف" کے لزوم کی دو صورتیں ہیں، اولاً یہ کہ قاضی اس کے لزوم کا فیصلہ کر دے اور ثانیاً یہ کہ "واقف" کی موت واقع ہو جائے، ان دو صورتوں کے علاوہ ان کے ہاں واقف کو اپنے وقف کے متعلق جملہ قسم کے حقوق تصرّف حاصل ہوتے ہیں، وہ اسے فروخت بھی کر سکتا ہے اور

---

[1] اس سے مراد بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے اونٹ یا اونٹنیاں تھیں، جن کی تفصیل کتب تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

[2] کتاب الام، ۴ : ۵۳۔

[3] المبسوط، ۱۲ : ۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہبہ بھی۔ تاہم ان کے ہاں "مسجد" اس کلیے سے مستثنیٰ ہے۔[۱]

امام صاحبؒ کا یہ موقف چونکہ قرآن و سنۃ کی صحیح نصوص کے خلاف ہے اور پھر بجائے خود تضاد بیانی کا مظہر بھی ہے (کہ عام اوقاف کے لیے الگ حکم ہے اور مساجد کے لیے الگ)، اس لیے ان کے اس مسلک کو نہ صرف یہ کہ حنفی فقہا نے اختیار نہیں کیا[۲] بلکہ خود امام صاحب کے عزیز ترین شاگردوں نے اس پر کھل کر تنقید کی ہے، مثال کے طور پر امام صاحب کے انتہائی معتمد علیہ شاگرد امام محمدؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقا کا مسلک اس لیے اختیار کیا ہے، کیونکہ ان کے ہاں لوگوں پر "تحکم" (ذاتی حکم) نہیں پایا جاتا، لیکن اگر یہ لوگ بھی لوگوں پر، بغیر حدیث یا قیاس کے "تحکم" چلانے لگ جائیں، تو لوگ ان کی تقلید بھی چھوڑ دیں گے اور اگر تقلید ہی کرنا ہو (دلیل کی بات درمیان میں نہ ہو)، تو امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کے بزرگ، مثلاً حسن بصریؒ اور ابراہیم النخعیؒ وغیرہ اس کے زیادہ مستحق تھے"۔[۳]

گویا امام محمدؒ کے خیال میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول بے اصل ہونے کی بنا پر محض "تحکم" (ذاتی رائے) کی حیثیت رکھتا ہے۔ بقول السرخسی امام محمدؒ نے اسی بنا پر امام ابوحنیفہؒ کے مذکورہ قول کو چنداں اہمیت نہ دی اور اس سے "مسائل متفرع" نہ کیے اور یہ کام صاحبین کے شاگردوں الخصاف اور ہلال[۴] وغیرہ نے انجام دیا۔

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ لاہور۔

[۲] کیونکہ احناف کے ہاں اس بارے میں تعامل صاحبین کی رائے پر ہے (فتاویٰ عالمگیری ۲: ۳۵۱)

[۳] السرخسی: المبسوط، ۱۲: ۲۸۔

[۴] ان کا پورا نام ہلال بن یحییٰ بن سلمہ البصری (م ۲۴۵ھ) تھا، انہوں نے امام محمدؒ کے انداز میں احکام وقف پر ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی تھی، جس کا نام کتاب احکام الوقف تھا، یہ کتاب حیدر آباد دکن سے ۱۳۵۰ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس پس منظر میں امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کی چنداں اہمیت نہیں رہ جاتی چنانچہ مذکورہ بالا تینوں بزرگوں اور بعض مالکیہ کے سوا جمہور فقہا اور جمہور امت کے نزدیک "قانون وقف" پوری طرح ثابت شدہ اور ایک مسلمہ ضابطۂ شریعت ہے۔

امام شافعیؒ اور نامور حنفی عالم السرخسی نے "قانونِ وقف" کی مشروعیت کے حق میں حسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

ا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور جمہور امت کا تعامل۔

ب۔ قانون وقف مساجد سے استدلال۔

ج۔ لوگوں کی اقتصادی، معاشی اور دینی ضروریات کا اقتضاء[۱]

ان میں سے ہر ایک اس پائے کی دلیل ہے، کہ اس سے "قانون وقف" کی تمام جزئیات کی مشروعیت ثابت کی جا سکتی ہے۔

## حکمت وقف اسلامی:

سطور بالا میں دی گئی تفصیل سے اسلام میں اوقاف کی حکمت و مصلحت پر بھی روشنی پڑتی ہے، وہ اس طرح کہ نظام "اوقاف" سے جس طرح انسانوں کی دینی اور مذہبی ضروریات پوری ہوتی ہیں (مثلاً مساجد، مدارس اور خانقاہیں وغیرہ) اسی طرح اوقاف سے انسانوں کی طبعی و معاشی ضروریات کی بھی کفالت ہوتی ہے۔ کیونکہ اوقاف کے ذریعے نہ صرف یہ کہ زمینیں وقف کی جاتی ہیں۔ بلکہ کنوئیں، چشمے حوض پانی نکالنے اور ذخیرہ کرنے کے دیگر ذرائع، نیز، سڑکیں، شاہراہیں اور اسی طرح کی بے شمار ایسی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔ جو بلا امتیاز لوگوں کے لیے انتہائی مفید اور نفع مند ہوتی ہیں پھر "وقف شدہ" شئ چونکہ بذات خود قائم رہتی ہے، اور فقط منافع میں عوامی شرکت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لیے اس کے فوائد و ثمرات تا دیر جاری و ساری رہتے ہیں اور لوگوں

---

[۱] کتاب الام، ۴ : ۵۲ - ۵۴ ؛ المبسوط، ۱۲ : ۲۸ - ۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو نسبتاً زیادہ مُدت تک ان سے استفادے کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔

## (ج) تعریف و حقیقتِ وقف اسلامی

**لغوی تحقیق**: یہ عجیب بات ہے، کہ لفظ وقف (مصدر، جمع: اوقاف) کو تاریخ اسلام میں جس مفہوم اور جس مقصد کے لیے عام استعمال کیا جاتا ہے، قرآن مجید، حدیث نبویہ اور قدیم ادب عربی میں اس کا اس مفہوم میں استعمال کہیں نظر نہیں آتا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ استعمال ضرور ہوا ہے، مگر فقط اپنے لغوی تناظر، یعنی "ٹھہرنے اور رکنے" میں مثلاً:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ [1]

ترجمہ: اور ٹھہراؤ کہ ان سے کچھ پوچھنا ہے۔

اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں بھی، گو یہ مادہ بکثرت مستعمل ہوا ہے، مگر ہمیشہ اپنے لغوی مفہوم میں، مثال کے طور پر فرمان نبوی ہے:

لو یعلم المار بین یدی المصلّی ما ذا علیه من الاثم لکان ان یقف اربعین خیرًا له .. [2]

ترجمہ: اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والا جانتا، کہ اس پر کتنا گناہ ہوگا، تو وہ چالیس تک کھڑے رہ کر انتظار کرتا۔ (چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال)

اسی طرح شعرائے جاہلیت نے بھی اس لفظ سے اپنے اشعار و قوافی کو مزیّن ضرور کیا ہے، مگر ہمیشہ اس کے لغوی سیاق سباق میں۔ مثال کے طور پر مشہور جاہلی شاعر امرؤ القیس کہتا ہے:

قفا نبك مِن ذکرای حبیب ومنزل
بسقط اللوٰی بین الدخول فحومل

---

[1] الصٰفّٰت - ۲۴

[2] البخاری: الجامع الصحیح، کتاب الصّلاۃ، باب ۱۰۱ (۱۳۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک اور شاعر اپنی ناقہ کے بارے میں زمزمہ سنج ہے:

وقفت علی اربع لمیہ ناقتی     فمازلت ابکی عندہ واخاطبہ[1]

جبکہ اس کے اصطلاحی مفہوم یعنی "وقف کرنے" کا کسی جگہ ذکر نہیں ملتا۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی سالوں، یعنی عہد نبوی یا عہد ابی بکرؓ تک وقف کے سابقہ معانی (ٹھہرنے، رکنے) ہی برقرار رہے، مگر پھر جلد ہی اس میں تبدیلی آئی اور لفظ "وقف" کو اپنے لغوی مفہوم کے ساتھ ساتھ اس نئے اصلاحی مفہوم میں بھی استعمال کیا جانے لگا، یہ تبدیلی اغلباً عہد خلافت راشدہ میں اور خلافت راشدہ میں سے بھی تعیین کے ساتھ "عہد فاروقی" میں عمل میں آئی۔

**۲۔ اصطلاحی مفہوم:** اصطلاحی طور پر وقف کے معنی، جسے انگریزی میں ENDOWMENT OR ANALIEBLE PROPERTY کہنا چاہیے، بقول شمس الائمہ السرخسی "کسی شئ کو محفوظ کرنے اور کسی تیسرے فرد کی ملکیت میں جانے سے بچانے کے ہیں (ھُوَ حبس المملوك عن التمليك مِن الغير[2])، آگے چل کر اس کے مفہوم میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور اس سے درج ذیل اشیا مراد ٹھہرائی جانے لگی: (۱) وہ اراضی جو مسلمان باقاعدہ جنگ میں کامیابی اور غلبے کے ذریعے حاصل کریں، یا ایسی زمین، کہ جس کے مالکان مسلمانوں کے ساتھ خراج ادا کرنے کی شرط پر مصالحت کرلیں۔ ایسی تمام زمینیں سرکاری بیت المال یا مسلم حکومت MUSLIM STATE کی ملکیت ہوتی ہیں اور وقف عام بھی[3]۔ (۲) یا کسی فرد یا افراد کی جانب

---

[1] دیکھیے ابن منظور الافریقی: لسان العرب، بذیل مادہ؛ تاج العروس، بذیل مادہ؛ اس کی نمایاں وجہ یہ ہے، کہ بقول امام شافعیؒ دور جاہلیت میں، سرزمین عرب میں عربوں کے اوقاف موجود نہ تھے۔ (کتاب الامّ۔ م: ۵۲)۔

[2] المبسوط، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳: ۲۷۔

[3] الماوردی: الاحکام السلطانیہ، طبع Enger، ص ۲۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے کسی چیز کا فی سبیل اللہ نیک مقاصد اور رفاہِ عامہ کے لیے وقف کیا جانا۔

**۲۔ مسالک فقہ میں وقف کی تعریف:** یہ وضاحت بھی مناسب ہوگی، کہ وقف کے بنیادی تصوّر، اس کے مقاصد اور طریقۂ کار میں اتفاق کے ساتھ ساتھ فقہی مسالک میں وقف کی تعریف میں جزوی اختلاف پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر امام ابوحنیفہؒ وقف کی یہ تعریف فرماتے ہیں:

هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة بمنزلة العادی[1]

ترجمہ: وقف کسی شی کو وقف کنندہ کی ملکیت میں روک دینا اور اس کے فوائد (ثمرات) کو صدقہ کر دینا ہے، جیسے عاریتاً لی ہوئی شیٔ۔

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک "وقف" کر دینے سے (مساجد کے سوا) موقوفہ شیٔ" وقف کنندہ (واقف) کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی، بلکہ وہ بدستور اسی کی ملکیت میں رہتے ہوئے، اس کے فوائد و ثمرات کے صدقہ کا ذریعہ قرار پاتی ہے، یہی وجہ ہے، کہ امام صاحبؒ کے نزدیک واقف کو اس وقت تک اپنی موقوفہ شیٔ کو فروخت کرنے یا ہبہ کرنے کا حق باقی رہتا ہے، جب تک کہ "قاضی" اس وقف کے استحکام کا فیصلہ نہ کر دے اور یا پھر واقف کی موت واقع نہ ہو جائے۔ تاہم امام صاحبؒ کی یہ رائے چونکہ جمہور فقہاء کے اور خود حنفی آئمہ کے بھی خلاف ہے، اس لیے اسے مرجوح سمجھنا چاہیے[2] جبکہ امام ابو یوسفؒ و امام محمد دونوں کے نزدیک وقف تام ہے:

حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ[3]

ترجمہ: کسی شیٔ کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے حکم پر روکے رکھنا۔

---

[1] المرغینانی: ہدایہ، ۱: ۶۱۲، کتاب الوقف۔

[2] فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ لاہور، ۲: ۳۵۰، بحوالہ العیون والتیمیہ۔

[3] ہدایہ، کتاب الوقف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گویا ان ائمہ کرامؒ کے نزدیک کسی شئ کو وقف کر دینے سے، وہ شئ واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے اور اپنی بقا تک اسی حالت میں برقرار رہتی ہے اور متعلقہ افراد کے لیے استفادے کا ذریعہ بنی رہتی ہے، بنا بریں وقف شدہ چیز کو اس کا سابقہ مالک نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہبہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اس پر اپنی ملکیت جتلا سکتا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر گذرا احناف کے ہاں مفتیٰ بہ قول یہی ہے، لہٰذا اسی کو احناف کا اجتماعی مسلک خیال کرنا چاہیے؛

امام شافعیؒ نے وقف کی تعریف ایک اور نہج سے فرمائی ہے، وہ اس طرح کہ وہ فرماتے ہیں:

العطایا التی تتم بکلام المعطی دون ان یقبضھا المعطی[1]

ترجمہ: وقف ان عطیات میں سے ہے۔ کہ جو معطی کے محض کہنے سے مکمل ہو جاتے ہیں، ان پر کسی کا قبضہ ضروری نہیں ہوتا۔

گویا امام شافعیؒ کے نزدیک بھی "موقوفہ" شئ پر کسی انسان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اسی لیے اس کی صحت کے لیے قبضے کی شرط ضروری نہیں۔ لہٰذا امام شافعیؒ کا مسلک بھی جمہور احناف کے قریب تر ٹھہرا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر اس کی جامع مانع تعریف یوں کی گئی ہے:

ھو تحبیس الاصل وتسبیل الثمرہ[2]

ترجمہ: اصل شئ کو محفوظ رکھنا اور اس کے منافع کو تقسیم کرنا وقف ہے۔

امام مالکؒ کے ہاں بھی قریب قریب یہی تعریف کی جاتی ہے؛

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ "وقف (ج: اوقاف) سے مراد ایسی شئ ہے، جو خود کو

---

[1] الشافعیؒ: کتاب الام، ۴: ۵۱۔

[2] معجم الفقہ الحنبلی، ۲: ۱۰۵۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قائم رکھتے ہوئے، بعض فوائد (مثلاً زمین ہونے کی صورت میں غلہ، باغ ہونے کی صورت میں پھل وغیرہ) کا ذریعہ بنتی ہے، اور جس کے مالکانہ حقوق و مراعات سے اس کا سابقہ مالک کلی طور پر دستبردار ہو جاتا ہے، اور وہ شرط لگا دیتا ہے۔ کہ اس کا منافع مطلوبہ کارِ خیر میں صرف ہوتا رہے"۔

۴۔ وقف کے مترادف الفاظ: وقف کے مترادف الفاظ میں تحبیس، تسبیل اور تحریم کے الفاظ شامل ہیں، درحقیقت یہ تمام الفاظ تصوّرِ وقف کے کسی نہ کسی پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔ کیونکہ موقوفہ شئ " روک دی جاتی ہے۔ کہ وہ کسی کے ملک میں جائے، یا پھر وہ راہ خداوندی میں وقف کر دی جاتی ہے (تسبیل) تاہم آہستہ آہستہ وقف کا اطلاق سب پر بازی لے گیا البتہ بعض افریقی ممالک (مراکش الجزائر وغیرہ) میں اس وقت بھی وقف کو " حبس " ہی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے فرانس کی قانونی زبان میں اسے Habous لکھا جاتا ہے۔

## (د) فضائل و فوائد:

شریعت اسلامیہ میں " خدا کی راہ " میں " اوقاف " وقف کرنے کے بے شمار فوائد و فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل دینا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مقصود۔ چند ارشادات پر اکتفا کرنا مناسب ہوگا۔

### ۱۔ حصول بِرّ کا ذریعہ:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [۱]

ترجمہ: جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہ خدا میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔

روایات کے مطابق جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت طلحہ انصاری رضؓ نے مدینہ منورہ

---

[۱] آل عمران: ۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں موجود اپنا باغ راہ خدا میں وقف فرما دیا ۔

## ۲ ۔ انفاقِ فی سبیل اللہ اور صدقہ کی فضیلت :

علاوہ ازیں جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا ، "وقف" ، انفاق فی سبیل اللہ اور "صدقہ" ہی کی ایک قسم ہے ، اس طرح گویا وہ تمام فضائل ، جو صدقہ کرنے والے اور انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں ، مثلاً ثواب میں دس گنا[۱] یا سات سو گنا[۲] ، یا کئی کئی گنا[۳] اضافہ ہونا ، اس کے ذریعے گناہوں کی معافی[۴] ، مصیبتوں اور پریشانیوں کا موقوف ہونا اور سب سے بڑھ کر اس کا رضائے خداوندی کا ذریعہ ہونا ، وغیرہ ، "وقف" کرنے والے شخص کو بھی پوری طرح سے یہ تمام فضائل و ثمرات حاصل ہوتے ہیں ۔

## ۳ ۔ صدقۂ جاریہ کا ثواب :

ان فضائل و ثمرات کے ساتھ ساتھ "وقف" کی ایک خصوصی فضیلت بھی ہے اور وہ اسکا صدقۂ جاریہ ہونا ہے ، جیسا کہ کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے :

> "جب انسان مرجاتا ہے ، تو انسان کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے ، الّا یہ کہ اس کا کوئی نیک فرزند ہو ، جو اس کے لیے دعا کرے ، یا وہ ایسا علم چھوڑ جائے ، جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہو ، یا پھر قیامت تک رہنے والا کوئی صدقۂ جاریہ ہو"[۵]

اور چونکہ "وقف" ہی "صدقۂ جاریہ" کا مصداق ہے ، کیونکہ وقف میں "اصل شیٔ" محفوظ رہتی ہے اور فقط اس کے فوائد صدقہ کیے جاتے ہیں ، اس لحاظ سے یہ حدیث نبویہ وقف

---

۱ الانعام : ۱۶۰ ۔

۲ آل عمران : ۲۶۰ ۔

۳ البقرہ : ۲۴۴ ۔

۴ ہود : ۱۱۴

۵ المبسوط ، ۱۲ : ۳۲ ۔ دوسری روایت میں سات اشیاء کا ذکر ہے ، ان میں نہر ، کنویں ، سرائے اور مصحف قرآن کا بھی اضافہ ہے جس سے "وقف" کے لیے مزید بنیاد ثابت ہوتی ہے ( حوالہ مذکور )

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی خصوصی فضیلت کی غمّاز سمجھی گئی ہے اور السرخسی وغیرہ نے اسے لطور دلیل بھی پیش کیا ہے۔

## ۴۔ انبیاء کی سنت:

مزید برآں "وقف کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے، کہ یہ انبیاء کی سنت اور ان کا طریقہ ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السّلام ہی "سلسلۂ اوقاف" کے بانی ہیں۔ جیسا کہ السرخسیؒ نے تصریح کی ہے، کہ وقف کی ابتدا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمائی [۱] پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخِ اسلام میں "مسجدِ نبوی" اور دیگر مساجد کی تعمیر و تکمیل فرما کر اس کارِ خیر کی تاسیس فرمائی، نیز اپنی جملہ جائیداد کو بحقِ اسلام وقف کرنے کا اعلان فرمایا کہ:

انّا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ [۲]

ترجمہ: ہم گروہِ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم جو چھوڑ کر جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اس طرح "وقف" کرنا گویا پیغمبروں اور رسولوں کی سنت ہے اور ہر واقف درحقیقت انبیاء کی سنت کو زندہ کرتا ہے۔

## فوائد:

"اوقاف" کا سلسلہ بنی نوعِ انسانی کے لیے جتنا فائدہ مند ہے، شاید ہی کوئی اور سلسلہ اس قدر سود مند اور نفع مند ثابت ہوا ہو۔ اسی بنا پر "قانونِ وقف" کو ایک عالمگیر حیثیت حاصل ہے۔ اور اسی لیے ہمیں دنیا کے ہر مذہب اور ہر علاقے میں "اوقاف" کا سلسلہ ملتا ہے۔ یہ بابرکت سلسلہ ماضی اور حال کے مابین ایک پل کا کام بھی دیتا ہے، پچھلی نسل کو اگلی نسل سے اور اگلی نسل کو پچھلی نسل سے رابطہ قائم کرنے میں اس سے مدد ملتی ہے۔ یہ گذرنے والی نسل کی جانب سے آنے والی نسل کے لیے پیار، محبّت اور امن و آشتی کا پیغام بھی ہے۔

---

[۱] المبسوط، ۱۲: ۲۹۔

[۲] ایضاً، ص ۳۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


# ۲

# اقسامِ وقفِ اسلامی

اسلام میں وقف کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں :

## ۱ - وقف علی اللہ :

یوں تو، جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا، ہر وقف ہی "وقف علی اللہ" ہے، کیونکہ ہر وقف کا مقصد محض رضائے خداوندی ہی ہوتا ہے، تاہم بعض اقسام میں یہ مقصد زیادہ نمایاں اور واضح نہیں ہوتا۔ جبکہ "وقف علی اللہ" سے مراد یہ ہے، کہ "وقف بلا تعیین و تخصیص، محض "خداوند تعالیٰ" کے لیے کیا گیا ہو، اور یا پھر "موقوفہ شئ"، اس قسم کی ہو، کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور فرد یا ادارے کی ملکیت کے زمرے میں نہ آسکتی ہو، جیسے مثلاً مساجد، دینی مدارس، شفا خانے، (ہسپتال)، پل، ذخائر آب، قبرستان، قرآن مجید کے نسخے وغیرہ۔

اوقاف کی یہ قسم دینی مقاصد یا عامۃ الناس کے فائدے کیلئے وقف کی جاتی ہے، اسی لیے اس قسم کو "وقف خیری" بھی کہا جاتا ہے۔

وقف علی اللہ حسب ذیل الفاظ سے ثابت ہوتا ہے :

۱ - وقف کنندہ یہ کہے، کہ "یہ شئ ہمیشہ کے لیے، خدا تعالیٰ کے لیے وقف ہے[۱]۔ یا خدا تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے (ھی موقوفة لله تعالی، صدقة لله" او صدقة موقوفة لله تعالی) تو اس صورت میں مذکورہ شئ "وقف علی اللہ" ہوگی، اور جمہور ائمہ کے نزدیک ایسا کرنا درست ہوگا۔

۲ - علاوہ ازیں اگر بانی وقف "اللہ تعالیٰ کے لیے" کے بجائے محض وقف یا ہمیشہ کے لیے صدقہ کے الفاظ استعمال کرے، مثلاً یہ کہے۔ کہ "یہ شئ ہمیشہ کے لیے میری جانب

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۳۵۸ - ۳۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے صدقہ ہے، میری زندگی میں بھی اور میرے مرنے کے بعد بھی ( ھٰذہ صدقۃ محرودۃ مؤبدۃ حال حیاتی وبعد وفاتی ) ، یا پھر یہ کہ یہ شیٔ ہمیشہ کے لیے صدقہ، وقف و حبس ہے ، میری زندگی میں بھی اور میرے مرنے کے بعد بھی (ھٰذہ صدقۃ موقوفۃ محبوسۃ مؤبدۃ حال حیاتی وبعد وفاتی ) مختصراً یہ کہ وہ ہمیشہ کے لیے صدقے . یا وقف یا حبس کے الفاظ استعمال کرے ، تو ایسی شیٔ وقف علی اللہ ہو گی[1] اور اسے مساکین ، فقرا اور دیگر افراد کے مصرف میں لایا جا سکے گا ۔ مصارف کی تفصیلی بحث ہلال الرائی کی " کتاب الوقف "[2] اور " فتاویٰ عالمگیری " وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

## (ب) اوقاف بیت المال :

اسلامی حکومت کے بیت المال ( STATE BANK ) کے اوقاف حسب ذیل ہیں :

ا ۔ مسلمانوں کی مفتوحہ اراضی : یعنی وہ اراضی جو مفتوح و مسخر ہونے پر بہ سبب حصولِ غلبہ " ملت اسلامیہ " کی ملک قرار پائیں[3] ۔ اسی اراضی کے متعلق عہد نبوی میں دو طرح کے احکام دیکھنے میں آ چکے تھے : اولاً : خیبر کی مفتوحہ اراضی ، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم فرما دی تھی ۔ ثانیاً ارض فدک ، وتیمار وغیرہ ، جو آپؐ نے اپنے انتظام میں رہنے دی تھی اور اس کے منافع آپ حسبِ موقع اہل حاجت میں تقسیم فرماتے تھے ۔ مگر جب عہد فاروقی میں " سواد عراق " کا بہت بڑا علاقہ فتح ہوا ۔ تو یہی سوال دوبارہ زیر بحث آیا ، کہ مسلمانوں کو ایسی اراضی کا کیا کرنا چاہیے ، بحث مباحثے کے بعد یہی طے پایا ، کہ اراضی بدستور " ملتِ اسلامیہ " کی مِلک رہے گی اور اس کے منافع تمام مسلمانوں پر صرف کیے جائیں گے[4] ۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ، ص ۳۵۷ ۔

[2] مطبوعہ حیدر آباد دکن ۔

[3] الماوردی : الاحکام السلطانیہ ، طبع ENGER ، ص ۲۳۷ ۔ ببعد ۔

[4] تفصیل کیلیے دیکھیے شبلی نعمانی : الفاروق ، مطبوعہ اعظم ؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ : عمر بن الخطاب ، اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، بذیل مادہ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حضرت عمر فاروقؓ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ کا یہ فیصلہ انقلابی نوعیت کا حامل تھا، جس سے ایک طرف اسلام میں بڑی بڑی زمینداریوں کا انسداد ہوا اور دوسری جانب اس کے ذریعے عامتہ المسلمین کے فلاح و بہبود کے لیے بڑی مضبوط بنیاد فراہم ہوگئی۔ عہد فاروقی کے اگر اسی فیصلے پر بعد میں بھی عمل جاری رکھا جاتا، تو آج دنیائے اسلام کا نقشہ مختلف ہوتا۔

۲۔ معاہدوں کی رُو سے حاصل شدہ اراضی: بیت المال کی ملکیت میں آنے والی، اراضی کی دوسری قسم وہ ہے۔ جو مسلمان کسی قوم سے معاہدے یا صلح نامہ کے ذریعے اس شرط پر حاصل کریں، کہ ان اراضی پر ان کے سابقہ مالکان ہی قابض رہیں گے۔ البتہ وہ اسلامی حکومت کو خراج (لگان) دینے کے پابند ہوں گے۔ نیز وہ اس اراضی کو نہ تو اپنے طور پر فروخت کر سکیں گے اور نہ ہی اسے رہن رکھ سکیں گے[1] اس حکم کی بنیاد خود قرآن حکیم سورۃ الحشر[2] کی آیات پر ہے، جن میں "مال فے"، یعنی بذریعۂ صلح حاصل شدہ مال غنیمت کو اللہ اور اس کے رسول کی ملک قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ایسی تمام اشیاء مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت میں رہتے ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے انتظام میں رہیں۔ جس سے نہ صرف یہ کہ اجتماعی ملکیت کا تصوّر پیدا ہوا، بلکہ اجتماعی فلاح کا نظریہ بھی پروان چڑھا، اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا، وقف اسی کی ترقی یافتہ صُورت ہے۔

۳۔ علاوہ ازیں اگر بیت المال سے یا مسلمانوں کے اجتماعی فنڈ سے کوئی جائیداد خریدی یا حاصل کی گئی ہو، وہ بھی بیت المال ہی کی ملکیت ہوگی، اسے بھی نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

## (ج) وقف علی الاولاد:

وقفِ اسلامی کی ایک اور قسم وقف "علی الاولاد" بھی ہے، وقف "علی الاولاد" کا بنیادی تصوّر "قرون اُولیٰ" میں موجود تھا، چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا "حضرت زبیرؓ

---

[1] الماوردی، بمحل مذکور۔

[2] الحشر: ۶-۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بن العوام نے اپنے مکان ایسی بیٹیوں کے لیے وقف فرما دیے تھے، جو کسی وجہ سے اپنے گھروں سے نکال دی جائیں"[1]، اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے اپنے اوقاف خاندانِ بنی ہاشم و بنی عبد المطلب کے لیے "مخصوص فرمائے تھے"[2]۔ نیز حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضورؐ کے مشورے سے "خیبر" میں جو وقف قائم کیا تھا، ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے "خاندانِ فاروقی" کے مستحق افراد کو بھی اس میں حصے دار قرار دیا تھا[3]۔ جس سے پتہ چلتا ہے، کہ شرعی طور پر اپنی آل اولاد کے لیے بھی وقف قائم کرنا جائز ہے۔

اسی بنا پر ہر دور کے فقہاء اور محدثین نے اس قسم کے اوقاف کو درست اور جائز تسلیم کیا ہے، ہلال الرائی بصری اپنی کتاب میں اس لیے مسئلے کو بصورت مکالمہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"میں نے کہا کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ زمین میری اولاد اور میری نسل پر صدقہ ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ وقف جائز اور صحیح ہے"[4]۔

کتب تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں، بالخصوص ترقی یافتہ علاقوں، مثلاً بغداد، مصر اور شام وغیرہ میں اس نوع کے اوقاف بکثرت قائم کیے گئے۔ جس کے بظاہر دو مقاصد تھے۔ اوّلاً اپنی جائیداد کو قانون وراثت کے تحت تقسیم ہونے سے بچانا اور اسے محفوظ و مصئون رکھنا۔ ثانیاً متلون مزاج حکمرانوں کی دار و گیر سے بچنا، جو ناراض ہو جانے کی صورت میں زیرِ عتاب شخص کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کو ضبط کر لیتے تھے۔ اور چونکہ وقف کردہ جائیداد پر تسلط قائم کرنے کا کوئی راستہ موجود

---

[1] البخاری، ۲: ۱۹۶۔

[2] الشافعی: کتاب الام، ۴: ۵۲ تا ۵۵۔

[3] البخاری، ۲: ۱۹۶۔

[4] احکام الوقف، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ص ۴۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


نہ تھا، لہٰذا دانا لوگ اس طرح اپنی جائیداد کو "نامہربان" ہاتھوں کی دست برد سے بچانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کر لیتے تھے۔

"وقف علی الاولاد" کا ایک فائدہ یہ بھی ہے، کہ اس کے ذریعے موقوف علیہ (جن افراد کے لیے وقف کیا گیا ہے) کو "وقف" سے مساوی طور پر استفادے کا موقع ملتا ہے؛ چنانچہ اگر وقف مطلقاً اولاد اور اپنی نسل کے لیے قائم کیا گیا ہو، تو اس سے بیٹوں بیٹیوں اور پوتوں وغیرہ کو مساوی حصّہ ملتا ہے، یہاں قانونِ وراثت کی طرح نہ تو قریبی اور دور کی اولاد میں کوئی امتیاز کیا جاتا ہے اور نہ ہی مذکر اور مونث کے حصّوں میں کوئی تفاوت پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق مذکورہ صورت میں اور "بیٹوں اور بیٹیوں" کی تصریح کی صورت میں مخنث اولاد بھی غیر مخنث اولاد کے مساوی تصوّر ہو گی۔[1]

اس طرح اگر اس نے مالدار اولاد (اغنیاء) کو مستثنیٰ نہ کیا ہو، تو اس وقف سے اولاد میں کے غنی اور فقیر دونوں مستفید ہو سکتے ہیں۔ تاہم اگر واقف یہ شرط لگا دے کہ یہ وقف اولاً میری اولاد کے لیے ہے اور اس کے بعد فقرا اور مساکین کے لیے۔ تو اس صورت میں بیٹوں کی اولاد وقف سے استفادے کی حقدار نہ ہو گی۔[2] القصّہ یہاں بھی پوری طرح واقف کی شرائط کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنی ذات کے لیے کوئی جائیداد وقف کرے، تو جمہور امت کے نزدیک ایسا وقف باطل ہے (مگر امام ابو یوسفؒ اس کے جواز کے حق میں ہیں)[3] گو بعض فقہاء نے اس کے لیے بعض حیلے بھی بیان کیے ہیں۔ جن کے ذریعے ایسا وقف درست ہو جاتا ہے، مثلاً شوافع کے ہاں یہ حیلہ اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ جس چیز کو وقف کرنا مقصود ہو، وہ کسی دوسرے شخص کو ہبہ کر دی جائے، یا برائے نام قیمت پر بیچ دی جائے۔ بعد ازاں موہوب لہ یا مشتری اسے اصل مالک کے نام پر وقف کر دے۔" ابن حجر نے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۷۱ ببعد؛ ہلال الرائی: احکام الوقف، ص ۴۶۔

[2] فتاویٰ عالمگیری، بمحل مذکور

[3]: فتاویٰ عالمگیری: ۲: ۳۹۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک اور حیلے کا بھی ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ "واقف" متعلقہ شئ کو اپنے باپ کی اولاد کے نام پر وقف کر دے اور پھر دستاویز وقف میں خود اپنا نام صراحت سے لکھ دے![1] تاہم اس حیلے کو باقی فقہا نے تسلیم نہیں کیا ہے مگر بایں ہمہ اس سے اس کا جواز مشکوک ہی رہتا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب وہ مکمل طور پر کسی شئ کو اپنی ذات کے لیے وقف کرے اور اگر اس نے مذکورہ شئ وقف تو دوسرے افراد کے لیے کی ہو، مگر واقف بذات خود اس سے استفادہ کرنے کی شرط رکھ دے، تو فقہ میں اس کی گنجائش موجود ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ کے متعلق یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے ایک مکان راہ خداوندی میں وقف کیا تھا۔ مگر جب کبھی وہ مذکورہ جگہ تشریف لاتے تو اپنے اسی مکان میں قیام فرمایا کرتے تھے[2] ایک اور مقام پر امام بخاری اس واقعے سے بھی استدلال فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بدنہ (قربانی کے لیے اونٹ) لیے جا رہا ہے اور خود اس کے ساتھ ساتھ پیدل سفر کر رہا ہے، اس پر آپ نے اسے فرمایا کہ تو اپنے اونٹ پر سوار ہو جا، اس نے تین بار یہ کہا کہ یا رسول اللہ یہ قربانی کے لیے (بُدنہ) ہے، مگر آپ نے ہر بار اسے ہدایت فرمائی کہ تو اس پر سوار ہو جا، اور چوتھی بار یہ ہدایت قدرے سختی کے ساتھ فرمائی اور فرمایا در تیرا ناس ہو، سوار ہو جا[3] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وقف کنندہ کے لیے اپنے قائم کردہ وقف سے استفادہ کرنا جائز ہے۔

## (د) دیگر اقسامِ وقف:

اپنی آل و اولاد کے لیے وقف قائم کرنے کے علاوہ دیگر افراد اور گروہوں کے لیے بھی "وقف" مخصوص کرنا درست ہے، مثلاً اپنے قرابت داروں (باپ اور ماں دونوں کی جانب سے رشتے داروں)، اپنے ضرورت مند رشتہ داروں، اپنے ہمسایوں، اپنے

---

[1] جمال الدین یوسف الاردبیلی الشافعی: الانوار لعمل الابرار، ۱: ۴۳۳؛ نیز: القزوینی کتاب الحیل، طبع SCHACHT، ۴: ۸۵۔

[2] البخاری۔ ۲: ۱۹۶۔

[3] البخاری، ۲: ۱۹۰ هل ینتفع الواقف بوقفه۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



"اہل بیت"، اپنی آل، اپنی جنس، اپنے اخلاف، اپنے لونڈی غلاموں یا مدبر و مکاتب غلاموں یا غربا، مساکین اور عوام کے لیے "وقف" قائم کرنا جائز ہے اور ان تمام صورتوں میں "واقف" کی شرائط کی پابندی ضروری ہوگی۔[1]

## (ھ) اوقافِ حکومت:

اسلامی حکومت "بیت المال" کے اوقاف کے علاوہ ایسے اوقاف کی نگران اور منتظم ہو سکتی ہے کہ جن کے وقف کنندہ نے متعلقہ وقف قائم کر کے حکومت کے سپرد کر دیا ہو، یا پھر اس وقف کا کوئی اور ناظر یا منتظم نہ رہا ہو۔ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں "اوقاف علی اللہ" پر حکومت کے مرکزی کنٹرول کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مثال کے طور پر مصر میں فاطمیوں کے عہد میں اوقاف کے سلسلے میں ایک مرکزی نظام اپنایا گیا تھا جس کے تحت اوقاف اسلامی علی اللہ کو تین شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، جس کی دلچسپ تفصیل ہمیں المقریزی نے بیان کی ہے اور جس کا آئندہ اوراق میں ذکر کیا جائے گا۔ اس طرح گویا لاوارث اوقاف یا ایسے اوقاف کہ جن کے نظم و نسق میں کوئی گڑبڑ ہو، قاضی کی وساطت سے حکومت اپنی تحویل اور نگرانی میں لے سکتی ہے۔

## (و) وقف اسلامی اور صنعت و تجارت:

اب رہا یہ سوال کہ کسی وقف یا اس سے حاصل شدہ منافع سے "صنعت و تجارت" کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اس سوال کا ہمیں دو ٹوک جواب تو نہیں ملتا، تاہم اگر حسب ذیل تصریحات و امور پر نظر رکھی جائے، تو اس کا جواب تلاش کیا جا سکتا ہے: مثلاً بیان کیا جاتا ہے، کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا ایک شعبہ "قرض حسنہ" کے لیے مختص کر رکھا تھا؛ اگر کوئی فرد رعیت غیر پیداواری ضرورت کے لیے قرض لیتا، تو وہ صرف اصل واپس کرتا۔ یہ طریق کار سودی کاروبار کرنے والوں کے لیے ضرب کاری ثابت ہوا اور ملک سے سود خواروں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اگر کوئی تاجر قرض لے کر تجارت کرتا۔ تو حضرت

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۹۰ - ۳۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



عمر فاروقؓ اس سے منافع کا نصف اور اصل دونوں وصول فرماتے اور اگر اسے خسارہ ہوتا تو وہ صرف اصل کا ضامن سمجھا جاتا[1] حضرت عمر فاروقؓ خود بھی اسی طرح قرض لیتے اور اگر کبھی اتفاقاً ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو افسر بیت المال ان سے اگر بھی تقاضا کرتا اور انھیں بھی کسی نہ کسی طرح ادائیگی کرنا پڑتی۔ کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت ان کے ذمہ بیت المال کے اسی ہزار درہم اداطلب تھے، چنانچہ انھوں نے بستر شہادت پر اپنے بچوں کو حکم دیا کہ وہ جلد از جلد اس کی ادائیگی کر دیں[2]

امام ابوعبید القاسم بن سلام نے اس سلسلے میں یہ عجیب و غریب حکایت لکھی ہے کہ سُوس کی فتح کے وقت وہاں حضرت دانیالؑ کی قبر پائی گئی، جس میں ایک خزانہ بھی تھا اور اس کے ساتھ ایک رقعہ تھا، کہ اس سے جو چاہے معینہ مدّت کے لیے قرض لے سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت دانیال کی لاش کو عزّت و احترام کے ساتھ دفن کر دیا اور خزانہ بیت المال میں منتقل فرما دیا[3] اور غیر سودی قرض کے لیے اس سے استفادہ کیا جانے لگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ "اوقاف" کی آمدنی کو صنعت و تجارت کے لیے مصرف میں لایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا نکتہ حضرت ہلال الرائیؒ کی تصریحات ہیں، کیونکہ ہلال الرائیؒ نے وقف شدہ مکان کو کرائے (اجارہ) پر اور زمین کو معاملے یا مزارعت پر دینے کو جائز قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ مذکورہ صورتوں میں حاصل شدہ اجرت سے، سب سے پہلے تو مکان یا زمین کی ضروریات پوری کی جائیں گی اور بعد ازاں اس سے فاضل آمدن کو غرباء اور مساکین پر صرف کیا جا سکے گا[4]، اسی طرح اگر "وقف" سے حاصل شدہ رقم ایک سال

---

[1] امام مالک: الموطا، کتاب القراض۔

[2] ڈاکٹر محمد حمید اللہ: مقالہ عمر بن الخطاب، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۱۴/۲: ۲۲۲۔

[3] کتاب الاموال، ف ۸۷۶۔

[4] ہلال الرائیؒ احکام الوقف، ص ۲۰۶ - ۲۱۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تک پڑی رہے ، تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہو جاتی ہے[1]
اس تفصیل سے واضح ہوا کہ " اوقاف کی آمدن سے حسب شرائط و مقاصد :

۱ ۔ قرض حسنہ دینا جائز ہے ۔

۲ ۔ اس سے تجارت کرنا درست ہے ؛

۳ ۔ اس سے صنعت و حرفت کو فروغ دینا بھی مناسب ہے ، بشرطیکہ عہد فاروقی کی شرائط ملحوظ خاطر رہیں ۔

اسی طرح وقف شدہ اراضی یا جائیداد کو بھی کرائے یا منافع (مضاربت) پر دینا درست ہے ۔

---

## ۳
# شرائط وقف اسلامی

وقف اسلامی کی صحت اور جواز کے لیے " واقف "، "شئ موقوفہ " اور " موقوف علیہم " میں چند شرائط کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے ، تفصیل حسب ذیل ہے :

### ( ۔ واقف کی شرائط :

واقف ( وقف کنندہ ) میں حسب ذیل امور کی موجودگی ضروری ہوتی ہے :

۱ ۔ عاقل و[2] بالغ ہونا ، لہذا دیوانے اور نابالغ کا " وقف " درست نہ ہوگا[2]

۲ ۔ آزاد ہونا ، لہذا غلام کی جانب سے کسی شئ کو وقف قرار دینا جائز نہ ہوگا ۔

واقف کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے ، لہذا مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کی جانب سے بھی " وقف " قائم کرنا درست ہے ، بشرطیکہ اس میں دیگر مطلوبہ شرائط موجود ہوں[3]

---

[1] ہلال ، کتاب مذکور ، ص ۲۱۳ ۔ ۲۱۴ ۔

[2] البدائع والصنائع ج ۷ : ۲۱۹ ۔ ۲۲۰ ۔

[3] الحاوی فی الفروع ۔ کتاب الوقف ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۴ ۔ "وقف" کا مقصد محض رضائے خداوندی ہو، لہٰذا یہ بھی ضروری ہے، کہ جس مقصد کے لیے "وقف" قائم کیا جا رہا ہے ۔ وہ بذات خود بھی کار ثواب اور حصول رحمت کا ذریعہ ہو، بنا بریں اگر کسی شخص نے عیسائیوں کے کنیسہ یا یہودیوں کے بیعہ (مذہبی عمارت) یا حربی کافروں کے لیے کوئی وقف قائم کیا۔ تو ایسا وقف باطل ہوگا ۔ تاہم جائز شرائط کے تحت کفار کا وقف بھی قابل تسلیم سمجھا گیا ہے، مثال کے طور پر کسی کافر کی جانب سے قبرستان یا مسجد کے لیے اپنی جائیداد وقف کرنا درست ہے[1]

۵ ۔ وقف کرتے وقت اس کا "شئ موقوفہ" کا مالک ہونا ۔ لہٰذا ناجائز طریقے سے حاصل کردہ شئ کا وقف جائز نہیں ہوتا[2]

فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے ۔ کہ اس شرط کے تحت کسی امام کی جانب سے کسی شخص کو اقطاع (جاگیریں دینے کا جواز نہیں ۔ الّا یہ کہ وہ زمین بنجر پڑی ہو، اس کی وجہ ہے ۔ کہ امام (خلیفہ، حاکم) بذات خود سرکاری زمینوں کا مالک نہیں ہوتا[3] اسی طرح ارض حوز کو بھی (یعنی وہ زمین کہ جس کا مالک ادائیگی خراج نہ کر سکے اور وہ اپنی زمین حاکم کو سپرد کر دے تاکہ اس کی پیداوار سے خراج وصول کیا جا سکے) کسی کو دینا جائز نہیں ہے ۔ کیونکہ یہاں بھی ملکیت مفقود ہے[4] اس شرط کو اگر سختی کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے، تو ہمارے ملک سے بڑی بڑی جاگیروں کا خاتمہ ممکن ہے ۔

۶ ۔ واقف کے لیے یہ بھی لازم ہے، کہ وہ اپنی کم عقلی (سفاہت)، یا مقروض ہو جانے کے باعث عدالت کی جانب سے مالی تصرفات سے روکا ہوا (ممنوع) بھی نہ[5]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۳۵۲ - ۳۵۳ -

[2] الکاسانی : کتاب البدائع والصنائع، ۷ : ۲۱۸ - ۲۲۰ -

[3] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۳۵۴ -

[4] ایضاً، بمحل مذکور -

[5] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۲۵۸ - ۲۵۹ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


ہو، بصورت دیگر وقف باطل ہوگا۔

ان شرائط پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے، کہ اس بارے میں فقط یہ دیکھا جاتا ہے، کہ بانیِ وقف تصرفات کا اہل ہو۔

## (ب) شیٔ موقوفہ کی شرائط:

شرعی طور پر "شیٔ موقوفہ" میں حسبِ ذیل شرائط کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے:

۱۔ شیٔ موقوفہ نہایت پائیدار قسم کی ہو، اور اس سے منافع حاصل ہوتے ہوں، یعنی وہ بنیادی طور پر "قابل منفعت" شیٔ ہو۔ تاہم اگر وہ شیٔ منقول (moveable) جائیداد ہو، تو اس کے متعلق اختلاف ہے، تفصیل آگے آتی ہے۔ البتہ اس پر تمام فقہاء متفق ہیں، کہ عام خورد ونوش کی اشیاء اور نقد روپیہ پیسہ وقف نہیں کیے جا سکتے، کیونکہ یہ جلد تلف ہونے والی اشیاء ہیں، البتہ اگر وہ ضمنی طور پر وقف ہوجائیں تو درست ہوگا[1]

۲۔ عدم الجہالۃ: یعنی یہ کہ "شیٔ موقوفہ" کو مجہول یا مبہم نہ چھوڑا جائے، تاہم اگر اس نے مثال کے طور پر "جگہ" کا نام تو لیا، مگر اس کی حدود اربعہ بیان نہ کیں، تو امام بخاریؒ نے بعض روایات سے استشہاد کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے[2] لیکن اگر اس نے مثلاً زمین وقف کی اور درختوں کو اس سے مستثنیٰ کر لیا، تو وقف درست نہ ہوگا[3]

۳۔ شیٔ موقوفہ کا رہن نہ ہونا: اسی طرح یہ بھی ضروری ہے۔ کہ جو شیٔ وقف کی جا رہی ہے۔ وہ کسی اور شخص کے ہاں بطور "رہن" کے نہ رکھی ہوئی ہو، بصورت دیگر وقف باطل ہوگا[4]۔ تاہم اگر وہ شیٔ کسی اور شخص کو اجارے (کرائے یا ٹھیکے) پر دی ہوئی ہو۔ تو اجارے کی مدت ختم ہونے سے قبل بھی وقف درست ہوتا ہے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، محل مذکور۔

[2] البخاری، ۲: ۱۹۶۔

[3] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۶۲ - ۳۶۴۔

[4] ایضاً، ۲: ۳۵۵ - ۳۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


۴ ۔ غیر مغضوب ہونا : پھر یہ بھی لازم ہے ۔ کہ "شئ موقوفہ" جائز طریقے سے اس کے قبضے میں آئی ہو، اس کو نا جائز طریقے سے غضب نہ کیا گیا ہو، لہٰذا غصب کردہ شئ کا وقف باطل ہوتا ہے ۔

۵ ۔ شئ موقوفہ کا تقسیم شدہ ہونا : اس لیے کہ مشترک شئ کا وقف مختلف فیہ ہے،[۱] تفصیل آگے آئے گی ۔

## (ج) شرائط موقوف علیہ :

رہا یہ مسئلہ کہ جن کے لیے وہ شئ وقف کی جا رہی ہے، ان میں کون کون سی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ؟ تو اس کے جواب میں مختصراً دو نکات کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے :

### ۱ ۔ رضائے خداوندی کا ہونا :

اس ضمن میں پہلا نکتہ یہ ہے ، کہ وقف خواہ کسی شخص کے لیے کیا جائے تاہم التزامی طور پر یہ بات ضروری ہے ، کہ "وقف" محض رضائے خداوندی کے لیے ہونا چاہیے ' لہٰذا ہر وہ صورت ، جہاں یہ شرط نہ پائی جائے ، یعنی یہ کہ جہاں وقف کا مقصد رضائے خداوندی کا حصول نہ ہو، یا وہ شئ ایسے مقصد کے لیے وقف کی جائے ، جو رضائے خداوندی اور حصولِ ثواب کا موضوع نہ ہو، مثلاً کسی گرجا گھر، یا بیعہ (یہودیوں کے معبد) یا دیگر مذاہب باطلہ کی مذہبی عمارتوں کے لیے وقف کرنا ، تو خواہ ان کا وقف کنندہ مسلمان ہو، یا غیر مسلم ، بہر صورت ایسا وقف باطل ہوگا اور شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی[۲]

### ۲ ۔ اپنی ذات کے لیے نہ ہونا :

اس ضمن میں دوسرا نکتہ یہ ہے ، کہ مذکورہ وقف اپنی ذات کے لیے نہ ہو، چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ۔ تمام اہل مسالک کے نزدیک اپنی ذات کے لیے کیا جانے والا وقف باطل ہوتا ہے ، کیونکہ ایسا وقف رضائے خداوندی یا حصولِ ثواب کا موضوع

---

[۱] الکاسانی : بدائع الصنائع ، ۶ : ۲۲۰ ۔

[۲] فتاویٰ عالمگیری ، ۲ : ۳۵۳ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


نہیں بن سکتا، گو بعض فقہاء نے اس مقصد کے لیے کچھ حیلے تجویز کیے ہیں، مگر فی الحقیقت ایسا کرنا حصول ثواب کے لیے نہیں۔ بلکہ کچھ اور مقاصد کے لیے ہوتا ہے۔

ان مذکورہ دو نکات کی اساس پر بہت سی صُورتوں کا معاملہ نپٹایا جا سکتا ہے، مثلاً یہ کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے محض "مالداروں" کے لیے کوئی شئ وقف کی، تو ایسا وقف باطل ہوگا۔ تاہم محض فقراء اور مساکین، یا مالداروں اور مساکین دونوں کے لیے وقف کرنا جائز ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اول الذکر صورت "حصول ثواب" کا ذریعہ نہیں ہو سکتی، جبکہ مؤخر الذکر دونوں صورتیں حصول ثواب کا ذریعہ ہو سکتی ہیں[۱]

## د ۔ عام شرائط:

ایک وقف میں عام طور پر حسب ذیل امور کا موجود ہونا لازمی ہوتا ہے:

### ۱۔ اس کا مؤبد یعنی دائمی ہونا:

تمام اہل مسالک کے نزدیک ضروری ہے، کہ وقف مؤبد یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیا گیا ہو، یعنی یہ کہ اس کے لیے وقت کی کوئی حد مقرر نہ ہو، تاہم اگر وقف چند "معین افراد" کے لیے کیا گیا ہو، مثلاً اپنے بیٹوں کے لیے، یا اسی طرح چند معین و محدود افراد کے لیے، تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وقف باطل ہوتا ہے۔ البتہ امام ابو یوسف و دیگر ائمہ کے نزدیک مذکورہ افراد کی موت کے بعد اس کے منافع غریب اور محتاج لوگوں میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں اور وقف کو ختم نہیں کیا جاتا۔ گویا ہر وقف ناقابل انتقال ہوتا ہے[۲]

### ۲ ۔ وقف کا منجز ہونا:

یعنی یہ کہ "وقف" پر عملدر آمد کے لیے التواء تاخیر کا کوئی لفظ استعمال نہ کیا گیا ہو، بلکہ اسی وقت سے فوری طور پر "وقف" کے احکام پر عملدر آمد کا اظہار کیا جائے[۳]

---

[۱] السرخسی: المبسوط، ۱۲: ۳۳

[۲] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۵۵، ۳۵۹: ہلال الرائی: احکام الوقف۔

[۳] البدائع والصنائع، ۷: ۲۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تاہم اگر واقف نے وقف کو اپنی موت کے ساتھ معلق کر دیا، کہ میرے مرنے کے بعد "میری فلاں شی وقف ہوگی" تو اس صورت میں اور وصیت کی صورت میں "وقف" کا حکم فقط ایک تہائی (⅓) جائیداد کی حد تک درست ہوگا، اس سے زیادہ کیلئے نہیں۔

اسی طرح "وقف" کنندہ کو یہ حق بھی حاصل نہیں، کہ وہ یہ شرط لگا دے کہ وہ اپنی زندگی میں اسے فروخت کر سکتا ہے، یا ہبہ کر سکتا ہے[۱] کیونکہ ایسی صورت میں گویا وہ اپنے حقوق ملکیت سے دستبردار نہ ہو کر، وہ بنیادی طور پر "قانون وقف" کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔

علیٰ ہٰذالقیاس اکثر ائمہ کرامؒ کے نزدیک "واقف" کی جانب سے "شرط خیار" کا ہونا بھی درست نہیں ہوتا، یعنی یہ کہ اسے اس وقف پر نظر ثانی کا حق حاصل نہ ہوگا۔ تاہم امام محمد شیبانیؒ فرماتے ہیں کہ تین دن تک کی شرطِ خیار درست اور اس سے زیادہ کی باطل ہوگی۔ جبکہ صاحب النوازل فرماتے ہیں۔ کہ اگر کسی نے "شرطِ خیار" کے ساتھ "مسجد بنائی، تو اس کی یہ شرط باطل اور "مسجد کا وقف درست ہوگا[۲]

۳۔ احناف میں سے امام محمدؒ کے نزدیک اور پرانے ائمہ میں سے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ہاں۔ نیز امامیہ کے نزدیک وقف کی تسلیم (سپرداری۔ قبضہ) بھی ضروری ہے، یعنی یہ کہ متعلقہ لوگوں تک اس وقف کی اطلاع پہنچانا یا کم از کم وقف کے ناظم کو اس کا انتظام سپرد کرنا بھی لازمی ہے، وقف عامہ یعنی مسجد یا قبرستان ہونے کی صورت میں محض ایک فرد کے استعمال سے بھی تسلیم ہو جاتی ہے۔ تاہم امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم کے نزدیک واقف کے اعلان کے ساتھ ہی "وقف" ہو جاتا ہے اور اس کو کسی کی سپرداری میں دینے کی ضرورت نہیں ہوتی[۳]

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۳۵۶۔

[۲] ایضاً۔ بمحل مذکور۔

[۳] السرخسی : مبسوط، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۲ : ۳۳-۳۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


امام شافعیؒ نے اپنی "کتاب الام" میں نام لیے بغیر حنفی فقہاء کی تسلیم والی شرط کو ہدفِ تنقید بنایا ہے کیونکہ بقول ان کے عہد نبوی اور عہد صحابہؓ میں جتنے اوقاف قائم ہوئے ان میں "تسلیم" کی یہ شرط کہیں بھی نہیں پائی جاتی۔ یہی امام شافعیؒ امام ابویوسفؒ کا نام لے کر ان کی مذکورہ رائے کی تعریف فرماتے ہیں۔ کہ ان کی یہ رائے بہت مناسب ہے لہ۔ امام شافعیؒ کی ان تنقیدات کے حنفی فقہاء بالخصوص امام السرخسی نے مفصل جوابات لکھے ہیں، اپنی اس تمام بحث کا خلاصہ السرخسیؒ نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

وكان القاضي ابو عاصم رحمه الله يقول قول ابي يوسف من حيث المعنى اقوى لمقاربته بين الوقف والعتق من حيث انه، ليس في كلٍ واحدٍ منهما معنى التمليك وقول محمد اقرب الى موافقة الآثار ٢ه

ترجمہ: قاضی ابوعاصمؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ معنوی طور پر امام ابویوسفؒ کا قول زیادہ قوی ہے، کیونکہ معنوی طور پر وقف اور غلام کی آزادی ایک جیسے امور ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں ہی کسی دوسرے شخص کو مالک بنانا نہیں ہوتا، البتہ روایات اور اقوال صحابہ میں موافقت پیدا کرنے کے نقطۂ نظر سے امام محمدؒ کا قول زیادہ بہتر ہے۔

اس طرح گویا حنفی فقہاء کے ہاں حسب موقع و محل ان دونوں اقوال پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

۴۔ اس کا عقد لازم ہونا:

جمہور فقہاء کے نزدیک "وقف"، ایک ناقابل فسخ معاملہ ہے، گویا جب ایک مرتبہ وقف صحیح ہوگیا، تو اب اس کے سابقہ مالک یا اس کے ورثا کو اس پر نظر ثانی کا

---

لہ کتاب الام۔ مطبوعۂ قاہرہ، ۴ : ۵۲ - ۵۵۔

٢ه المبسوط، ۱۲ : ۳۶ ببعد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حق باقی نہیں رہتا ۔ اس مسئلے میں احناف میں سے امام ابوحنیفہ اور دیگر اہل مسالک میں سے مالکیہ اس کے مخالف ہیں :

امام ابوحنیفہ کے ہاں ، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ، " وقف " ایک " قابل فسخ " قانونی معاملہ ہوتا ہے ، یعنی یہ کہ اس کا سابق مالک جب چاہے اس کو منسوخ کر سکتا ہے ، البتہ دو باتوں سے یہ معاملہ محکم ہو جاتا ہے ، اولاً یہ کہ اس کا سابق مالک فوت ہو جائے ۔ تو اندریں صورت اس کے ورثا کو یا کسی اور شخص کو اس معاملے کی تنسیخ کا حق باقی نہیں رہتا ۔ ثانیاً یہ کہ کوئی عدالت صاحبین کے قول کے مطابق اس معاملے کے محکم ہو جانے کا فیصلہ صادر کر دے ، تو گویا امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق وقف کے ناظر کو ، اس مقصد کے لیے عدالت کی جانب رجوع کرنا چاہیے اور عدالت کے فیصلے کے بعد ، یہ معاملہ ان کے نزدیک بھی ناقابل فسخ ہو جاتا ہے [1]

امام ابوحنیفہ کا یہ مسلک نہ صرف یہ کہ دوسرے مسالک کے ہاں ہدف تنقید بنا ، بلکہ خود حنفی فقہاء نے بھی اس پر سخت ترین الفاظ میں تبصرہ کیا ہے ، امام محمد کی رائے سطور بالا میں بیان ہو چکی ہے ۔ اس کے علاوہ تمام فقہاء نے صاحبین کے قول پر ہی ہمیشہ فتویٰ صادر کیا ہے [2] گویا عملاً احناف کے ہاں بھی مکمل طور پر یہ ایک ناقابل فسخ معاملہ سمجھا جاتا ہے ۔

البتہ مالکیہ کے نزدیک اس کو ایک قابل تنسیخ قانونی معاملہ خیال کیا جاتا ہے اور تنسیخ کا حق نہ صرف یہ کہ اس کے سابق مالک کو حاصل ہوتا ہے ، بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کو بھی تنسیخ و ابطال کا حق منتقل ہو جاتا ہے [3] اس طرح مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے ، کہ تین اہل مسالک کے نزدیک تو مکمل طور پر وقف ایک ناقابل تنسیخ معاملہ ہے ۔ مگر مالکیہ کے ہاں اس کی تنسیخ محتمل ہے ، گو اس کے لیے بھی عدالت کی طرف مرافعہ کرنا پڑتا ہے ۔

---

[1] ہدایہ ، ۲ : ۶۱۲ - ۶۱۴ ؛

[2] فتاویٰ عالمگیری ، ۲ : ۳۵۰ ۔

[3] خلیل : المختصر ترجمہ SANTILLANA ، ۳ : ۵۶۰ - ۵۶۱ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


## ۵ - وقف کا اعدام :

وقف کا اعدام فقط اسی ایک صورت میں ممکن ہے۔ کہ اگر جب خدانخواستہ واقف اسلام سے مرتد ہو جائے، تو اس صورت میں وقف باطل ہو جاتا ہے اور موقوفہ جائیداد کی ملکیت کا حق اس کے ورثا کی جانب منتقل ہو جاتا ہے؛ تاہم اگر کسی وقف کا مقصد فوت ہو جائے۔ یعنی یہ کہ جن لوگوں کے لیے اسے وقف کیا گیا ہو، وہ باقی نہ رہیں۔ تو اس صورت میں وقف بدستور قائم رہتا ہے اور اس کے مصارف میں غریب اور نادار لوگ شامل ہو جاتے ہیں اور اگر سابق مالک کے ورثا بھی مفلس ہو جائیں، تو انہیں بھی اس کے مصارف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ گویا اس صورت میں وقف کو قائم رکھتے ہوئے اس کے مصارف میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ تاہم حکومتِ وقت کسی صورت میں بھی انہیں ضبط نہیں کر سکتی۔

## ۶ - حق تملیک :

یہاں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے، کہ "وقف"، کی ملکیت کا حق کس کو حاصل ہوتا ہے، اس ضمن میں تین مکاتبِ فکر ہیں :

پہلے مکتب فکر کے نزدیک، جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمد، متأخرین احناف اور شوافع کا مسلک یہ ہے، کہ "وقف شدہ شئے"، کی ملکیت اس کے سابق مالک سے "اللہ تعالیٰ" کی جانب منتقل ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کے سابق مالک یا اس کے ورثا کو، انہیں تصرّف کرنے کا حق نہیں رہتا[1]

اس مکتب فکر کے خیال میں "وقف" کا معاملہ ناقابل تنسیخ معاملہ ہے اور اس پر نظر ثانی یا تبدیلی کرنے کا کسی بھی شخص کو حق باقی نہیں رہتا۔

دوسرا مکتب فکر حنابلہ کا ہے، ان کے نزدیک اس کی ملکیت، اس کے سابق مالک سے، موقوف علیہم (جن لوگوں کے لیے وقف کیا گیا ہو) کی جانب منتقل ہو جاتی ہے[2]

---

[1] مبسوط، ۱۲ : ۳۰ - ۳۵ -

[2] معجم الفقہ الحنبلی، مطبوعہ کویت، ص ۱۰۶۰ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس طرح گویا اس شئ پر موقوف علیہم کو تصرف کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

تیسرا مکتب فکر امام ابو حنیفہؒ [۱] مالکیہ اور ایک قول کی رُو سے حنابلہ [۲] کا ہے، جن کا خیال ہے کہ "وقف شدہ" شئ کی ملکیت بدستور سابق مالک ہی کے پاس رہتی ہے، مگر اس پر اسے تصرّف کرنے کا حق نہیں رہتا۔ تاہم اس کلیے سے "مساجد" مستثنیٰ ہیں۔ ان ائمہ کے خیال میں اگر کسی مسجد میں ایک شخص نے بھی نماز ادا کر لی [۳] تو اب اس کے مالکانہ حقوق اس کے سابق مالک کے پاس نہیں رہتے اس طرح گویا مساجد کے معاملے میں تینوں مکاتب فکر باہم متفق الخیال ہیں۔

---

# ۴

# ارکانِ وقفِ اسلامی

وقفِ اسلامی کے ارکان وہ الفاظ ہیں، کہ جو "وقف" کیے جانے پر دلالت کرتے ہیں، اس ضمن میں اصول یہ ہے، کہ الفاظ جتنے واضح، صاف اور مفید مطلب ہوں گے، اتنا ہی "وقف" کا وقوع یقینی اور محکم سمجھا جاتا ہے۔

عام طور پر "وقف" کا مفہوم ادا کرنے کے لیے تین الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے، یعنی "وقفت" (میں نے وقف کر دیا) حبست (میں نے فلاں شئ روک دی، وقف کر دی)، سبلت (میں نے یہ چیز راہ خداوندی میں دے دی) تاہم ان صریح الفاظ کے بجائے۔ اگر کنایات سے کام لیا جائے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے، کہ میں نے صدقہ موقوفہ، یا محبوسہ، یا مسبّلہ یا محرمہ یا مؤبدہ کر دیا ہے، تو بھی درست ہوگا البتہ اس

---

۱۔ المرغینانی: ہدایہ، ۲: ۶۱۲-۶۱۳۔

۲۔ معجم الفقہ الحنبلی، ۲: ۱۰۶۰۔

۳۔ البدائع والصنائع، ۷: ۲۱۸-۲۲۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



صورت میں یہ بھی لازم ہوگا، کہ وہ یہاں وقف کی نیت کرے اور ان مذکورہ الفاظ و کنایات کے ساتھ ایسے الفاظ بھی استعمال کرے۔ جن سے وقف کے پہلو کو تقویت حاصل ہوتی ہو، مثلاً "اسے نہ بیچا جائے۔ نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وراثتہً دیا جائے (لاتباع ولاتوھب ولاتورث)[1]

جب مندرجہ بالا شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کوئی شخص محولہ بالا الفاظ استعمال کرے، تو اس سے "وقف" ثابت ہو جاتا ہے اور پھر امام محمدؒ کے نزدیک اس کی تسلیم سے اور امام ابو یوسف، شوافع اور حنابلہ کے مطابق بغیر تسلیم (سپرداری) کے ہی یہ وقف مستحکم ہو جاتا ہے اور اس میں مزید تغیر و تبدیلی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس قانون عمل کی تکمیل کے لیے بعض اور باتیں بھی پیش نظر رکھی جاتی ہیں، جن میں سے بعض باتوں کی تفصیل گذشتہ عنوان (شرائط) کے تحت دی جا چکی ہے، جبکہ بعض باتوں کی تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ کن کن اشیاء کا وقف صحیح ہے اور کن کن اشیاء کا نہیں؟

اس ضمن میں گذشتہ باب میں "شیءِ موقوفہ" کی شرائط پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ اصولاً وقف فقط ایسی اشیاء کا جائز ہے۔ کہ:

۱۔ جن کی خرید و فروخت جائز ہو۔

۲۔ جن کی بازار میں کوئی قیمت ہو،

۳۔ جن کی "اصل" کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو،

۴۔ جن کی اصل طویل عرصے تک باقی رہ سکتی ہو،

مثلاً قابل کاشت اراضی، باغات، نہریں، کنوئیں، مساجد، مدارس وغیرہ۔۔

گویا ایسی اشیاء:

جن کو خریدنا اور بیچنا جائز نہ ہو، مثلاً درندہ جانور، شراب، خنزیر وغیرہ، ان کو

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۳۵۲؛ معجم الفقہ الحنبلی، ۲ : ۱۰۵۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وقف کرنا درست نہیں۔

اسی طرح جن اشیاء کی بازار میں کوئی قیمت Value نہ ہو، مثلاً بنجر زمین۔ کاشت کے لیے یا کھنڈر مکان رہائش کے لیے، ان کو وقف کرنا درست نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس جو اشیا خود کو قائم رکھتے ہوئے دوسروں کے لیے نفع کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ مثلاً خورد و نوش کی اشیاء، نقد روپیہ پیسہ، ان کو وقف کرنا بھی درست نہیں۔

نیز جو اشیاء جلد تلف ہو جاتی ہیں، مثلاً سبزیاں، غلے اور پھل وغیرہ ان کا وقف کرنا بھی درست نہیں[1]۔

## (ب) منقول اشیاء کے وقف کا شرعی حکم:

(ii) منقول اشیاء (Moveable Articles)، تو ان کے متعلق اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، احناف کے ایک گروہ کا خیال ہے، کہ اگر تو "اشیائے منقولہ" ضمنی طور پر وقف میں شامل ہو جائیں، مثلاً اگر کسی نے زرعی زمین وقف کی، تو (اس میں کام کرنے والے غلام، آلات زراعت اور دیگر) متعلقہ اشیاء بھی اس کے ساتھ وقف تصور ہوں گی، تاہم اگر اس نے مستقل طور پر انہیں وقف کیا، تو پھر اگر وہ آلاتِ زراعت ہوں، یا اسلحہ جنگ ہو، تو اس کی اجازت ہے۔ باقی اشیاء کا وقف درست نہیں۔ البتہ بعض فقہاء نے بعض اشیاء مثلاً مصاحفِ قرآن، اور کتابیں یا غسل میت یا اس کے کفن دفن کا سامان کو بھی جواز کے زمرے میں شامل کیا ہے؛

دیگر اشیاء کے وقف کے ضمن میں اکثر یہ ضابطہ ذکر کیا جاتا ہے، کہ اگر تو کسی علاقے میں، ایسا عرف و رواج موجود ہو، مثلاً جانوروں کا دودھ کے لیے وقف کرنا، وغیرہ۔ تو اس صورت میں وہاں کے عرف و عادت کے تحت اس کا وقف جائز ہوگا، ورنہ نہیں[2]۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۶۰ - ۳۶۲؛ ہدایہ، ۲: ۶۱۲ - ۶۱۵؛ البدائع والصنائع ۷: ۲۲۰ - ۲۲۲؛ معجم الفقہ الحنبلی، ص ۱۰۵۵۔

[2] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۶۰ تا ۳۶۵،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جبکہ دیگر فقہاء مثلاً شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں مذکورہ شرائط کے تحت منقول اشیاء کا وقف بھی درست ہے، بشرطیکہ وہ اشیاء ایسی ہوں، کہ شریعت کی رو سے ان کی خرید و فروخت جائز ہو، مثال کے طور پر ان تینوں ائمہ کرامؒ کے نزدیک جانور اپنے دودھ اور اپنی اُون کے لیے، غلام اپنی خدمت اور محنت کے لیے اور درخت اپنے پھلوں کے لیے اور کتابیں پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے علی الاطلاق وقف کی جا سکتی ہیں لہ

احنافؒ کے یہاں اگرچہ عموماً اشیائے منقولہ کو وقف کرنے کی عدم اجازت، بیان کی جاتی ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ نقطۂ نظر درست نہیں۔ اولاً تو خود احناف نے بھی متعدد اشیاء کو "جائز اوقاف" کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔ مثلاً مصاحف قرآن اور کتب دینیہ، وغیرہ ثانیاً احناف نے "عرف و عادت" کی جو شرط رکھی ہے۔ اس سے بھی بڑی گنجائش اور وسعت معلوم ہوتی ہے۔

گویا ہمارے اس زمانے کے عرف و عادت کے مطابق کتابیں، سامان نقل و حمل (مثلاً گاڑیاں، ہوائی جہاز، ریلیں وغیرہ)، سفری شفاخانے؛ کارخانوں کی پیداوار وغیرہ کو وقف کیا جا سکتا ہے، اور ایسا وقف نہ صرف یہ کہ۔ مذکورہ تینوں مسالک کے ہاں درست ہوگا، بلکہ عرف و عادت کے ضابطے کے تحت احناف کے ہاں بھی مکمل طور پر جائز ہوگا۔

## ج۔ مشترک (مشاع) اشیاء کا وقف:

یہاں دوسرا مسئلہ مشترک (مشاع) اشیاء کے وقف کا بھی بحث طلب ہے؛ اس ضمن میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے:

اگر تو وہ مشترک شئ دو یا دو سے زیادہ افراد کی مشترکہ ملکیت میں ہو (مشاع) اور تقسیم کا احتمال رکھتی ہو۔ مثلاً زمین، مکان وغیرہ، تو اگر اس کے حصہ داروں میں سے

---

لہ HEFENING: مقالہ وقف، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۲۳: ۱؛ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، لیدن بذیل مادہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کوئی ایک حصّہ دار اپنا حِصّہ وقف کر دے، تو تمام فقہاء کے نزدیک اس کا وقف کرنا درست ہے۔ لیکن اگر وہ شئ ناقابل تقسیم ہو، مثال کے طور پر نصف کنواں وغیرہ، تو امام محمدؒ اور مشائخ بخاریؒ کے نزدیک اس شئ کا "وقف" کرنا جائز نہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا وقف کرنا بھی جائز ہے۔ فتاوئ عالمگیری کے مطابق متاخر فقہائے احناف امام ابو یوسفؒ کے ہی مسلک پر فتویٰ دیتے رہے ہیں[1] اس طرح گویا عملاً احنافؒ کے ہاں بھی۔ "مشترک شئ" کا وقف علی الاطلاق درست سمجھا جاتا ہے۔ تاہم خواہ وہ شئ قابل تقسیم ہو، یا نہ ہو، اس پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ کہ مشترکہ جگہ پر، قبل از تقسیم مسجد یا قبرستان بنانا جائز نہیں[2]

اسی طرح اس پر بھی تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ کہ اگر عدالت نے کسی "مشترک" شئ کے وقف کو درست قرار دے دیا، تو اس کا وقف بالاتفاق درست تصوّر ہوگا۔ البتہ "مشترک شئ" کے اپنے حصّے کو وقف کرنے کی صورت میں۔ یہ ذمہ داری وقف کنندہ کی اور اس کے بعد اس کے ورثا کی ہوگی، کہ وہ اپنے "وقف شدہ" حصّے کو دوسرے حصّے داروں سے تقسیم کرائیں[3]

اور اگر کسی شخص نے اپنی زمین یا کسی دوسری شئ کا کچھ حِصّہ۔ بلا تعین و تحدید وقف کر دیا۔ تو اس کے جواز و عدم جواز میں بھی مذکورہ بالا تفصیل ہے۔ اس کی صُورت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ مثلاً وہ یہ کہے۔ کہ میرے اس مکان کا نصف حصّہ وقف ہے۔ اور اگر اس نے ایک ہی شئ کے دو حصّوں کو الگ الگ مدات میں وقف کیا، مثلاً یہ کہا۔ کہ "میرا یہ مکان میری اولاد اور مساکین کے لیے وقف ہوگا" تو اس صُورت میں بھی "مشترک شئ" کے قانون کے مطابق دونوں حصّے داروں میں مکان کو نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا[4]

---

[1] فتاوئ عالمگیری، ۲ : ۳۶۵ - ۳۶۸؛ معجم الفقہ الحنبلی، ۲ : ۱۰۵۹ -

[2] فتاوئ عالمگیری، ۳۶۵ -

[3] ہدایہ، ۲ : ۶۱۴ - ۶۱۵ -

[4] معجم الفقہ الحنبلی، ص ۱۰۵۹ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## د ۔ نقد روپے (یا درہم و دینار) کے وقف کی شرعی حیثیت:

رہا یہ سوال کہ آیا نقد روپے پیسے کو وقف کیا جا سکتا ہے، یا نہیں، تو اس کا جواب تمام فقہاء اور اہل مسالک کے نزدیک نفی میں ہے، کیونکہ نقد روپیہ پیسہ خود کو قائم رکھتے ہوئے کسی قسم کی منفعت کا ذریعہ نہیں بن سکتا، بلکہ وہ اس وقت تک کسی کے لیے نفع مند ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اسے خرچ کر کے دوسرے شخص کے سپرد نہ کر دیا جائے۔ تاہم یہ بھی ضابطہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ اس کے جواز کے حق میں بھی فقہی آرا ملتی ہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"اور اگر کسی شخص نے درہم یا تولنے کا پیمانہ یا کوئی لباس وقف کیا، تو جائز نہ ہوگا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کسی جگہ نقد روپے وقف کرنے کا عرف و رواج موجود ہو، تو وہاں جائز ہوگا، ؟ سوال یہ ہے کہ روپے کا وقف کرنا کس طرح درست ہے۔ تو اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اس طرح کہ "اسے فقراء اور ضرورت مند لوگوں کو بطور قرض حسنہ دیا جائے یا پھر اسے مضاربت پر دے دیا جائے اور اس کے منافع کو فقراء پر تقسیم کر دیا جائے"... اور کپڑے اور پوشاک فقراء کو بوقت ضرورت پہننے کے لیے دی جائیں اور پھر واپس لے لی جائیں، فتاویٰ العتابیہ "، میں یہی مذکور ہے۔"[1]

گویا حنفی فقہاء نے اس مسئلے میں بھی توسّع اختیار کیا ہے اور اسے "عرف و عادت" پر موقوف کر دیا ہے۔ یہ وسعت ہمیں کسی اور مسلک میں نظر نہیں آتی۔ پھر بھی بعض لوگ حنفی فقہاء پر تنگ نظری کا الزام عائد کرتے ہیں۔

چونکہ ہمارے اس دور میں روپے پیسے کو وقف کرنے کے لیے عرف و عادت کی بنیاد موجود ہے، وہ اس طرح کہ مختلف مخیر حضرات کی جانب سے بعض وظائف، یا دیگر فلاحی پروگرام نقد روپے سے منسلک کر دیے جاتے ہیں۔ جیسے بینک میں رکھوا کر اس سے سود حاصل کر کے مطلوبہ امور خیر انجام دیے جاتے ہیں۔ تاہم اس مقصد کے لیے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۶۲-۳۶۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کا سودی سلسلہ لازماً نظرِ ثانی کا محتاج ہوگا۔ اس کے بجائے اس کی بنیاد "قرضِ حسنہ" پر یا مضاربت وغیرہ پر رکھی جاسکتی ہے۔

## ھ۔ غلّہ اور دیگر پیداوار کے وقف کا حکم:

نقد روپے پیسے کی طرح غلّہ اور دیگر زرعی پیداوار کا مسئلہ بھی تفصیل طلب ہے، عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ غلّہ اور دیگر اجناس اور سبزیاں وغیرہ وقف نہیں کی جاسکتیں اور یہ کہ اس پر تمام فقہاء متفق الخیال ہیں، کیونکہ اولاً تو یہ تمام اشیاء خود کو قائم رکھتے ہوئے دوسرے افراد کے لیے منفعت کا کوئی پہلو نہیں رکھتیں اور ثانیاً جلد تلف ہوجاتی ہیں، تاہم یہاں بھی حنفی ضابطۂ عرف و عادت سے ہمیں بڑی گنجائش معلوم ہوتی ہے، فتاویٰ عالمگیری میں نقد روپے پیسے اور کپڑوں کی طرح اس کے جواز کے حق میں دلیل دیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے۔ کہ:

"اور (ممکن ہے کہ) گندم فقراء کو بطور قرض کے دیدی جائے، جو اسے بیجیں اور پھر اُگ آنے کے بعد وہ گندم ان سے واپس لے لی جائے"[1]

گویا یہ عین درست ہے۔ کہ گندم کا کچھ ذخیرہ جمع رکھا جائے اور اسے بوقتِ ضرورت حاجت مندوں کو بطور قرض دیدیا جائے اور گندم آجانے کے بعد اسے واپس لے لیا جائے، گندم ہی پر دیگر اجناس، مثلاً چاول، جو اور مکئی وغیرہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان سب اشیاء سے مذکورہ بالا طریقے پر استفادہ کرنا ممکن ہے۔

رہا سبزیوں اور پھلوں کے وقف کا معاملہ، تو چونکہ یہ سب اشیاء جلد تلف ہوجاتی ہیں اور گندم اور دیگر اجناس کی طرح ذخیرہ کر کے اگلی فصل تک نہیں رکھی جاسکتیں، اس لیے ان کے متعلق کوئی قول نہیں ملتا۔ تاہم اگر ان کے بیج نکال کر وقف کر دیے جائیں اور انکے بیجوں کو حسبِ بالا وقف کر دیا جائے، تو اس کی کسی حد تک گنجائش نکل سکتی ہے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۳۶۲ - ۳۶۳ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


### و ۔ جگہ کے بغیر مکان یا درخت وقف کرنے کا مسئلہ :

یہاں پر یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے، کہ اگر کسی شخص نے زمین کے بجائے محض عمارت، یا درخت وغیرہ وقف کر دیے ۔ تو تمام ائمہ یعنی احناف، شوافع ۔ اور حنابلہ کے نزدیک ایسا وقف درست نہیں ہوتا، البتہ مالکیہ کے نزدیک ایسا جائز ہے ۔ اور مزید امعان نظر سے اس مسئلے پر غور کیا جائے، تو احناف کے "عرف و عادت" کے اصول کے مطابق یہاں بھی گنجائش نکل سکتی ہے، کیونکہ فی زمانا زمین کے بغیر محض عمارت یا عمارت کی بھی کسی ایک منزل کی خرید و فروخت جائز سمجھی جاتی ہے، لہذا اگر مالک محض کسی ایک منزل کو یا محض عمارت کو وقف کر دے ۔ تو عرف و عادت کے قانون کے تحت اس کی گنجائش نکل سکتی ہے ۔

اس سوال کی ہمارے اس دور میں بے پناہ اہمیت ہے ۔ کیونکہ بڑھتی اور پھیلتی ہوئی آبادی کے لیے جو کم جگہ گھیرنے والے کئی کئی منزلہ مکان اور پلازے بنائے جا رہے ہیں ۔ ان میں ایسا ممکن نہیں ہوتا، کہ مسجد کی جگہ کو نیچے سے لے کر اوپر تک وقف کیا جائے اور چونکہ مسلمانوں کے ہاں ہر ملک اور ہر شہر میں اس قسم کی مساجد موجود ہیں لہذا اس عرف و عادت کو اس کے جواز کے حق میں بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے ۔

---

## ۵

# وقف اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے شریعت کا اصولی موقف

وقف اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے شریعت کے اصولی موقف پر کچھ کہنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ذہن میں اُس بحث کو مستحضر کر لیا جائے، جو اوراق سابقہ میں" وقف کی ملکیت "کے عنوان سے کی جا چکی ہے ۔ وہاں منجملہ دیگر امور کے یہ بات بیان ہو چکی ہے ۔ کہ "فقہاء کی اکثریت"، کی، جس میں فقہی مسالک کے نامور ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہاء اور مجتہدین شامل ہیں، یہ رائے ہے کہ "وقف کی ملکیت"، سابق مالک سے "خداوند تعالیٰ" کی جانب منتقل ہو جاتی ہے۔ جبکہ دو آراء اس کے برخلاف انسانی ملکیت کے حق میں بھی ملتی ہیں، مگر اولاً تو ایسے فقہاء کی تعداد اوّل الذکر کے مقابلہ میں کم ہے، ثانیاً ان حضرات کے نزدیک بھی "وقف" کے مزعومہ مالک یا اس کے ورثا کو اس میں تصرّفات، از قسم بیع، ہبہ اور اجارے کا اختیار باقی نہیں رہتا[1] اس لحاظ سے اس مسلک میں بھی عملی طور پر کسی فردِ انسانی کی ملکیت کو تسلیم نہیں کیا گیا اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے۔ جس پر اس کے "تحفظ" کی شرعی قانون کی دستاویز استوار ہے۔ چونکہ اس پر کسی بھی فردِ انسانی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے تحفظ کے ضمن میں کسی بھی فردِ انسانی کو قوانین سازی اور دیگر معاملات کا حق حاصل نہیں۔ چنانچہ ذیل کے جملہ نکات ہم اسی اصول کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں:

## ۱۔ مال یا اس کی پیداوار پر سرکاری ٹیکس کی شرعی حیثیت:

"اوقاف"، چونکہ اساسی طور پر "صدقہ"، اور انفاق فی سبیل اللہ ہی کی ایک قسم ہے، لہٰذا ان کے مالی قوانین کے ضمن میں بھی یہی بات پیش نظر رکھنی چاہیے۔ اور چونکہ "مال زکوٰۃ یا مال صدقہ"، کو اللہ تعالیٰ کا خود پر "قرض" قرار دینا[2] اسی امر کی غمازی کرتا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہو، یا کم از کم کسی انسان کی ملکیت سے خارج ہو، تو اس پر کسی اسلامی سلطنت میں کسی بھی قسم کے ٹیکس یا محصول لگانے کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ غالباً اسی لیے "کتب فقہ"، میں اس مسئلے پر مکمل خاموشی اور سکوت اختیار کیا گیا ہے، گویا یہ بات کسی تصور میں بھی نہیں آسکتی، کہ "اموال موقوفہ"، پر ٹیکس یا چنگی نافذ کیے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعے سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے، کہ "اوقاف"، پر کسی بھی قسم کے محصول عائد نہیں کیے جاتے تھے۔ اور نہ ہی حکومتِ وقت کی جانب سے

---

[1] ملاحظہ ہو، باب اول، بعنوان وقف اسلام اور صنعت و تجارت۔

[2] البقرہ۔ ۲۴۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کسی اور طرح ان میں دخل اندازی کی جاتی تھی۔ تاہم حفظ ماتقدم کے طور پر بعض "بانیان وقف" خود ہی اپنی دستاویز وقف میں ان اوقاف کو ناجائز محاصل اور مصارف سے روکنے کے لیے واضح ہدایات لکھوا دیا کرتے تھے[1] کتب تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ جب بھی کسی حکمران نے ان اوقاف میں کسی قسم کی دخل اندازی کی کوشش کی، تو مسلمانوں کی جانب سے اس کا سخت ردّ عمل ہوا، مثال کے طور پر فرانس نے الجزائر میں ایسا ہی قدم اٹھایا تھا (۱۸۳۰ء)، تو مسلم رعایا اس پر مشتعل ہوگئی تھی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

دور حاضر میں بھی اوقاف کی آمدن ہر قسم کے محاصل و عشور سے مستثنیٰ خیال کی جاتی ہے، تاہم اس کے لیے حکومت کے قواعد و ضوابط کے تحت باقاعدہ درخواست دینا پڑتی ہے۔

## ب۔ مال وقف پر یا اس کی پیداوار پر زکوٰۃ و عشر کی شرعی حیثیت:

رہا یہ سوال کہ آیا "وقف شدہ مال"، یا اس کی پیداوار پر زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی ضروری ہے، یا نہیں، تو چونکہ "وقف شدہ" مال اور زکوٰۃ و عشر دونوں کی عرفی حیثیت ایک ہی ہے، یعنی یہ دونوں ہی نہ کسی انسان کی جانب سے عائد شدہ ہیں اور نہ ہی کسی انسان کی ملکیت تصوّر ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے جواب میں دونوں طرح کی آرا ملتی ہیں۔ مشہور حنفی فقیہ اور کتاب احکام الوقف کے مصنف ہلال الرائی البصری نے اس کے قانونی جواز پر مفصل بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"میں نے کہا تمہارا کیا خیال ہے۔ کہ آیا وقف شدہ زمین کی پیداوار پر عشر ہے، جواب ملا جی ہاں پھر میں نے پوچھا وہ کیسے؟ کیونکہ یہ سارا غلّہ مساکین کے لیے ہے۔ تو تم نے نو حصّوں اور دسویں حصّے (عشر) کو ایک ہی شئ کیوں نہ سمجھا۔ جواب ملا کہ: تمہاری بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اراضی (کی پیداوار) پر زکوٰۃ و عشر فرض قرار دیا ہے اور اس کے مصارف بھی بیان کئے ہیں، تو جب کوئی شخص اپنی اراضی

---

[1] HEFENING: مقالہ وقف، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو وقف کر دے، تو اس سے اس اراضی سے متعلقہ احکام عشر میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی؛ کیا تم نہیں جانتے کہ "وقف" کا مصرف "صدقہ" (از کوٰۃ) کے علاوہ بھی ممکن ہے۔ لہٰذا متعلقہ اراضی میں "وقف کنندہ" کی ہدایات پر عمل کرنے کی نسبت اسی زمین سے متعلقہ

"اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا، کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر یہ لازم ہے۔ کہ میں دو سو درہم صدقہ کروں، تو ہم اسے مطلوبہ رقم کو صدقہ کرنے کا کہیں گے، لیکن اگر اس رقم پر ایک سال گذر گیا، تو اس پر ہم زکوٰۃ کی فرضیت کا بھی فیصلہ دیں گے۔ لہٰذا اس میں سے پانچ درہم تو بطور زکوٰۃ اور بقیہ رقم بطور نذر صدقہ سمجھی جائے گی"[1]

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مال وقف کی کسی "قابل زکوٰۃ رقم" پر ایک سال گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ بھی فرض ہو جائے گی۔

اس ضمن میں دوسری رائے ابن قدامہ صاحب المغنی (فقہ حنبلی) کی ہے، کہ وہ اس کی دو صورتوں میں فرق کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ "اگر تو" مال وقف "متعین و محدود افراد کے لیے ہو اور پھر موقوفہ اراضی کی پیداوار میں سے ہر ایک کو اتنا اتنا حصّہ مل جائے، کہ اس پر علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہو، تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، تاہم اگر یہ وقف مساکین کے لیے ہو، تو خواہ ان میں سے ہر ایک کو بقدر نصاب زکوٰۃ بھی حصّہ مل جائے، تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ جبکہ قبل از تقسیم مجموعی پیداوار پر بہر صورت زکوٰۃ نہیں ہے"[2]

ان میں سے اول الذکر رائے زیادہ "احتیاطی" اور مناسب ہے؛ جبکہ دوسری رائے میں اہل وقف کے لیے زیادہ سہولت ہے۔

---

[1] احکام الوقف، ص ۲۱۳ - ۲۱۴؛

[2] المغنی، ۶ / ۲۳۳، ۵ : ۵۸۲؛ معجم الفقہ الحنبلی، ۲ : ۱۰۶۰ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


## ج ۔ وقف کی شرائط و مقاصد کی سخت پابندی کا شرعی ضابطہ :

جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا ہے[1] "وقف" ابتدا تا انتہا "صدقات فی سبیل اللہ" ہی کی ایک شاخ (BRANCH) ہے ۔ گو دونوں کی حیثیتوں میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہے ۔ اور چونکہ عام صدقات و عطیات میں بھی "واہب" کی مرضی اور اس کی ہدایات کی پابندی کی جاتی ہے ، تو اسی طرح "اوقاف" کے قیام و انصرام میں بھی بانی وقف کی شرائط و مقاصد کی پابندی کی جانے کی سخت تاکید ہے ۔ الآیہ کہ وہ کوئی ایسی شرط رکھ دے ۔ جو نا قابل عمل یا "قانون وقف" کے مقاصد سے متصادم ہو ، مثال کے طور پر اس کا خود اپنے لیے وقف کرنے کی شرط رکھنا ، تمام مسالک فقہ کے نزدیک قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا ۔

اس کے برعکس ، شریعت اسلامیہ میں ، "وقف" کے انتظام و انصرام ، اس کے قیام اور اس کے مصارف کے سلسلے میں ، بانی وقف کی شرائط و مقاصد کی سختی کے ساتھ پابندی کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس کی شرائط کی خلاف ورزی کو "غبن" اور امانت میں خیانت کرنے کے مترادف سمجھا گیا ہے ۔

بانی وقف کی جانب سے عام طور پر شرائط کی حسب ذیل شقیں اہم سمجھی جاتی ہیں :

### ا ۔ انتظام و انصرام :

بانی وقف کو یہ حق حاصل ہے ۔ کہ اگر وہ چاہے ۔ تو اپنے قائم کردہ وقف کی نگرانی اور اس کا انتظام خود اپنے پاس رکھے اور خود اس کا متولی و ناظر ہو جائے ، جیسا کہ امام شافعیؒ نے متعدد صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت فاطمہؓ اور دیگر مہاجرین و انصار کے اوقاف کی مثالیں دیتے ہوئے لکھا ہے ۔ کہ یہ سب حضرات اپنے اپنے اوقاف کے خود ہی منتظم اور منصرم تھے[2] ، چنانچہ احناف میں سے بھی امام ابو یوسفؒ اور بہت سے دیگر فقہاء اس کے جواز کے حق میں ہیں ۔ گو امام محمد اور ہلال بصری سے اس کی مخالفت مروی ہے ۔ مگر صاحب ہدایہ کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے اختلاف کا

---

[1] دیکھئے ۔ (۱) باب اوّل ۔

[2] الشافعی : کتاب الاُم ، ۴ : ۵۲ ۔ ۵۵ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



موقع و محل کچھ اور ہے[1]

اسی طرح اگر وہ اپنی جگہ اپنے کسی بیٹے یا بیٹی، یا کسی عزیز یا دوست یا کسی نیک اور صالح شخص یا متعدد افراد کو اپنی جگہ اپنے وقف کا منتظم بنا جائے، تو اس کی جانب سے "اس شخص"، کا یہ تقرر بالاتفاق درست ہوگا اور کسی اور شخص یا حکومت وقت کو اس میں مداخلت کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر بانی وقف کی زندگی میں ہی اس کا مقرر کردہ "ناظر وقف" فوت ہو جائے۔ تو اسے اس کی جگہ متبادل شخص کے تقرر کا بھی حق حاصل ہوتا ہے، تاہم اگر ایسا بانی وقف کی موت کے بعد ہو، تو اس صورت میں "ناظر وقت"، کے تقرر کا ضابطہ اس سے مختلف ہے (تفصیل آگے آئے گی)۔

۲۔ مصارف:

انتظام و انصرام کی طرح جائز اور ممکن حد تک "بانی وقف"، کو اپنے وقف کے "مصارف" و مدات، یا مقاصد کی تعیین کا بھی حق حاصل ہوتا ہے اور اس ضمن میں اس کی متعین کردہ حدود حتمی اور آخری سمجھی جاتی ہیں اور ان کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کی بعض صورتیں تفصیل طلب ہیں:

**و۔ بانی وقف کا خود اپنے لیے وقف کرنا، یا اپنے لیے حصے کی شرط رکھنا:**

جیسا کہ اوپر گذرا، کہ اگر کوئی شخص خود اپنے لیے کوئی شئی وقف کرنے کا اعلان کرے، تو۔ گو بعض شافعیؒ فقہاء نے کتاب الحیل کی مدد سے اس کی اس بچگانہ حرکت کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے، مگر بایں ہمہ "جمہور امت"، نے اس قسم کے "مذاق"، کو پسند نہیں کیا، بلکہ ایسے وقف کو باطل قرار دیا ہے۔ تاہم اس سے بعض فروتر صورتیں ایسی ہیں۔ جن کو فقہاء نے "ترغیب و تحریص"، کی بناء پر جائز قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی نے یہ کہا کہ "جو زمین میں وقف کر رہا ہوں، اس کا تمام نفع یا اس کا کچھ نفع تاحیات میرے لیے اور میرے بعد مساکین اور ضرورت مندوں کے لیے ہوگا"، تو اسے

---

[1] المرغینانی: ہدایہ، ۲: ۶۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



امام ابو یوسفؒ اور مشائخ بلخ نے درست قرار دیا ہے اور فتاویٰ عالمگیری کے مطابق اسی پر فتویٰ ہے۔ تاکہ لوگوں کو وقف کی رغبت ہو[1]۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ مالِ وقف سے میرا قرض ادا کیا جائے" تو یہ بھی درست ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اپنے ساتھ اپنی آل اولاد کو بھی کسی طرح وقف میں شامل کرے، مثلاً وہ یہ کہے۔ کہ تاحین حیات میں اور میری اولاد اور میری وفات کے بعد میری اولاد اس وقف سے مستفید ہوگی، تو امام ابو یوسفؒ کے مذکورہ مسلک پر ایسا کہنا بھی درست ہوگا۔

علیٰ ہذا القیاس اگر بانی وقف یہ شرط لگا دے، کہ اسے اس زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کرنے یا اس کو بیچ کر دوسری زمین خریدنے کا حق حاصل ہوگا، تو تب بھی شرط اور وقف دونوں ہی درست ہوں گے۔ احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے[2]۔ اندریں صورت جب دوسری جگہ خریدی یا تبدیلی کی جائے گی، تو وہ سابقہ زمین یا وقف کی شرائط کے مطابق ہی وقف متصوّر ہوگی۔ تاہم اگر ایک مرتبہ بانی وقف اپنا مذکورہ حق استعمال کرے، تو دوسری بار اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ پھر اگر اس نے تبدیلی کا یا فروخت کر کے متبادل جائیداد خریدنے کا حق "ناظر وقف یا کسی اور شخص کو سونپ دیا۔ تو وہ بھی درست ہوگا۔ البتہ اگر اس نے یہ شرط رکھی۔ کہ اسے اپنے "وقف" کو بیچنے اور اس سے بہتر وقف قائم کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ تو اس صورت میں قاضی پر منحصر ہوگا، کہ اگر تو وہ متبادل وقف میں کوئی مصلحت دیکھے۔ تو اسے جائز قرار دیدے بصورت دیگر اس کی اس شرط کو ختم کرنے کا فیصلہ صادر کر دے۔ الغرض اس بارے میں شریعت نے اسے اختیار اور حق دیا ہے، اور اس کے اس حق کا احترام ملحوظ رکھا ہے[3]۔

اسی طرح "وقف" کے مصارف و مقاصد میں بھی اس کی شرائط کی سختی سے پابندی

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۳۹۸۔

[2] ایضاً، ۲ : ۳۹۹۔

[3] ایضاً، ۲ : ۳۹۹ - ۴۰۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی جاتی ہے ۔ اگر اس نے یہ وقف اپنی اولاد اور اپنے خاندان کے لیے قائم کیا ہو، تو ناظر وقف کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے منافع ان میں برابر برابر تقسیم کر دے۔ اور اگر اس نے یہ وقف اپنے ہمسایوں ، یا اپنے رشتہ داروں، یا یتیموں یا مساکین یا مستحقین زکوٰۃ یا اہلِ بیت نبوی یا دیگر افراد کے لیے قائم کیا ہو، تو یہاں بھی اس کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کی جاتی ہے تاہم اگر اس نے مذکورہ انواع میں سے فقط مالدار (اغنیاء) کے لیے وقف قائم کرنے کا اعلان کیا ہے ۔ اس کی اس شرط کو "مقاصد صدقہ و وقف" سے متصادم خیال کرتے ہوئے باطل تصور کیا جائے گا ، اور متعلقہ وقف کو غربا ء اور امراء دونوں ہی میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے گا ۔

صرف چند ایک صورتیں ایسی اور ہیں ۔ کہ جن میں " بانی وقف " کی شرائط کو نظر انداز کر کے فقط وقف کے مقاصد اور اس کی روح کو سامنے رکھا جاتا ہے ۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے، کہ اگر مثلاً بانی وقف نے یہ شرط رکھی ہو کہ اسے اپنے قائم کردہ وقف کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت سے دوسرا وقف قائم کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور پھر وہ اسے بہت ہی معمولی قیمت ( غبن فاحش ) پر بیچ دے، تو چونکہ اس سے بانی وقف کی بدنیتی کا اظہار ہوتا ہے ، اور پھر ایسا کرنا مقاصد وقف سے بھی متصادم ہے ۔ لہذا اس کی اجازت نہ ہوگی اور قاضی یا حاکم ایسی "بیع" کو باطل قرار دینے کا مجاز ہوتا ہے کرائے پر دینے کا بھی یہی حکم ہوگا ۔

اسی طرح " وقف " کی عمارت اور دیگر ساز و سامان کی خریداری یا پرانے سامان کی جگہ نئے سامان کے حصول یا وقف کے انتظام و انصرام کی دیگر جزئیات میں ناظر و متولی وقف کو اختیار حاصل ہوتا ہے اور وہ وقف کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے موقع و محل کے مطابق فیصلہ کرنے کا مختار ہوتا ہے [1]

---

[1] ہلال الرائی : احکام الوقف ۔ بمواقع عدیدہ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## د۔ معاملات وقف میں عدالت عالیہ کے فیصلہ شرعی کے بعد حکومت کی تبدیلی قانون کی شرعی حیثیت :

اگر ایک مرتبہ کسی "شئ" کو مخصوص شرائط و مقاصد کے تحت وقف کر دیا جائے اور اس کی اس حیثیت کو عدالت تسلیم کرلے، یا "وقف" کے متعلق کسی مسئلے میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے اور عدالت حسب آئین شرع اس کے متعلق کوئی فیصلہ کر دے، تو وہ فیصلہ مستقل طور پر اس "شئ" کی شرائط و مقاصد کا حصّہ ہو جائے گا اور بعد ازاں، ملکی قانون میں تبدیلی واقع ہو جائے، تو حکومت وقت کو اس کی شرائط و مقاصد کو تبدیلی کرنے اور ان میں دخل انداز یا اثر انداز ہونے کا حق حاصل نہ ہوگا۔

جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا، "وقف" اپنی وضع و فطرت میں مکمل طور پر ایک "صدقہ" اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ تو جس طرح صدقات اور انفاقات فی سبیل اللہ میں کسی حکومت یا اس کے حکام کو دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں ہے، تو اسی طرح یہاں بھی یہی حکم ہوگا۔ اور تبدیلی قانون کا معاملہ "اوقاف" کی حیثیت پر اثر انداز نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ کہ سلطان مصر برقوق (۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء تا ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء) نے "اوقاف رزقیہ" کو بحق سرکار ضبط کرنا چاہا تھا، مگر مصری فقہاء کے زبردست احتجاج کی وجہ سے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی طرح کی مثالیں مصری تاریخ میں فاطمی دور حکومت اور الجزائر وغیرہ میں فرانسیسی انقلاب کے زمانے میں ملتی ہیں، جنہیں فقہاء نے ہمیشہ ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔

## ھ۔ وقف اسلامی علی اللہ میں حکومت اسلامی کے اختیارات کی حدود وسعت

سطور بالا میں یہ مسئلہ بالتفصیل زیر بحث آچکا ہے، کہ "اوقاف اسلامی علی اللہ" پر تصرفات و انتظامات کے جملہ حقوق و اختیارات "وقف کنندہ"، یا اس کے مقرر کردہ قیّم و ناظر کو حاصل ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر یعنی "بانی وقف" وقف علی اللہ" کے مقاصد اور اس کی شرائط کا تعین کرتا ہے، جبکہ مؤخر الذکر یعنی "قیم و ناظر" اس پر "تصرفات" اور اس کے انتظام و انصرام کا پابند ہوتا ہے۔ اور حکومت کا (بوساطت عدلیہ) یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



عدلیہ کا کردار محض ان کے "نگرانِ اعلیٰ یا محاسب ادارے" کا ہوتا ہے، جس کی بنا پر اسے ایسا کوئی حق حاصل نہیں، کہ وہ "اوقاف" کی شرائط اُو اس کے مقاصد میں ردّ و بدل کرسکے، یا اس کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی دور رس قسم کی تبدیلی لا سکے۔

اس کے برعکس حکومت (یا عدالت) وقف کی صحت یا عدم صحت کا کسی تنازعے کی صورت میں) فیصلہ کرسکتی ہے، اسی طرح اسے یہ حق بھی حاصل ہے، کہ وہ وقف کے ناظر و قیم کی جانب سے "بانی وقف" کے خلاف یا بانی وقف کی جانب سے قیم و ناظر کے خلاف کوئی تحقیقات کرائے۔ یا باہمی جھگڑوں کا فیصلہ صادر کرے۔ اسی طرح "بانی وقف" کی جانب سے "ناظر وقف" کے فوت ہوجانے کی صورت میں، اس کے جانشین کی تقرری کے سلسلے میں ہدایات کی عدم موجودگی میں، عدالت اس پر کوئی ناظر یا نگران مقرر کرسکتی ہے یا عارضی ناظر کو مستقل کرنے کی مجاز ہے۔

اسی طرح ناظر کی طرف سے شرائط و مقاصد وقف نظر انداز کیے جانے کی صورت میں یا کسی غبن فاحش یا واضح بد دیانتی پر مبنی کسی اقدام کے خلاف، اسے رد کرنے یا اس ناظر کو معزول کرکے، اس کی جگہ مخصوص افراد میں سے (دیکھیے نیچے) کوئی اور شخص مقرر کرسکتی ہے[1]

عدلیہ (یا حکومت) اوقاف اسلامی کے مصارف پر بھی نظر ثانی کرنے کا حق رکھتی ہے۔ یا جدید اصطلاحات میں ناظر وقف کو یہ پابند کرسکتی ہے کہ وہ اوقاف کی آمد و خرچ کو حکومت کے کسی منظور شدہ آڈیٹر سے آڈٹ کرائے۔

اسی طرح اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ اگر کسی "وقف" کے موقوف علیہم وفات پا جائیں، یا "وقف شدہ" شئی منافع دینا بند کردے، تو باقاعدہ قاضی سے فیصلہ کرا کے اسے اپنی نگرانی میں لے لے۔

اسی طرح بعض صورتوں میں قاضی بذات خود بھی کسی وقف کا نگران یا قیم ہوسکتا ہے۔ مگر فقط اسی صورت میں کہ جب بانی وقف کا تعینات کردہ ناظر فوت ہوجائے۔ یا اس

---

[1] دیکھیے فتاویٰ عالمگیری، کتاب الوقف؛ البحر الرائق، کتاب الوقف وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو کسی معقول وجہ کی بنا پر معزول کر دیا جائے اور کسی نئے قیم وناظر کا ابھی تصفیہ نہ ہوا ہو۔

۲ ۔ متولی و واقف کے علی الرغم نظم ونسق وقف اسلامی میں عمالِ حکومت کی شمولیت کی شرعی حیثیت :

اسی بنا پر کسی بھی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ " بانی وناظر " کی مرضی اور اس کے مشورے کے بغیر " وقف اسلامی " کے نظم ونسق میں اپنے عمال کو شامل کر سکے ۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ، ایسا اسی وقت درست ہے ۔ کہ جب اسلامی قانون اوقاف کے مطابق اس کی ضرورت ہو ، یعنی یہ کہ متولی و منتظم فوت یا معزول ہو جائے اور اس کی جگہ کسی نئے منتظم کا تقرر عمل میں نہ آیا ہو تو فقط اسی صورت میں قاضی بذات خود یا کسی اور شخص کو اپنی جانب سے اس وقف کا نگران و منتظم بنا سکتا ہے ۔ ورنہ شریعت میں ایسے اوقاف میں دخل اندازی کی قطعاً اجازت نہیں ۔

تاریخِ اسلام کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے ، کہ جب بھی کسی مسلم حکومت نے ایسا قدم اٹھایا ہے ۔ تو مسلمانوں نے حکومت کے اس اقدام کو سختی کے ساتھ ناپسند ٹھہرایا ہے ، مثال کے طور پر مصر میں فاطمی دور میں ایسا کیا گیا تھا ، جس کی جمہور فقہاء نے بھرپور مخالفت کی ۔

---

## ۶

# متولی وقف اسلامی

### ۱ ۔ متولی وقف / ناظر وقف کا تقرر اور اس کے اختیارات و فرائض کی حدود :

" اوقاف اسلامی علی اللہ " کے ناظر یا متولی مقرر ہونے کے لیے اکثر فقہاء نے اس کی صالحیت ( نیکی و تقویٰ ) کو بنیاد ٹھہرایا ہے ، جو کم از کم اس درجے کا شخص ہو ، کہ اس کے فسق وفجور کی کوئی داستان زبان عوام پر معروف نہ ہو ، جبکہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ ایسا شخص ہونا چاہیے ۔ جو امانت دار ہو اور بذات خود یا اپنے کسی نائب کی وساطت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے وقف کا انتظام چلا سکے، آگے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بینا ہو یا نابینا[1] تاہم تمام فقہاء نے اس کے لیے بلوغ اور عقل کی لازمی شرط رکھی ہے۔ گویا کوئی نابالغ یا دیوانہ شخص وقف کا ناظر مقرر نہیں ہو سکتا[1]۔ تاہم اس مقصد کے لیے متعلقہ شخص کا آزاد ہونا یا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، بایں طور کہ غلام اور ذمی بھی وقف کا ناظر یا منتظم مقرر ہو سکتا ہے۔

ناظر یا منتظم وقف کے تقرر کا تمام اختیار بانی وقف کو حاصل ہوتا ہے وہ چاہے تو خود اپنے پاس یہ عہدہ رکھ سکتا ہے اور مناسب سمجھے تو اپنی کسی اولاد کو یا کسی قریبی رشتے دار یا کسی دوست یا کسی مسلمان کو اس عہدے پر تعینات کر سکتا ہے، تاہم اگر ایک بار کوئی شخص ناظر یا قیم مقرر ہو جائے۔ تو ما سوا اس صورت کے، کہ بانی وقف نے اس کے معزول کرنے کا اختیار اپنے پاس رکھا ہو، اس کو معزول نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ امام محمدؒ اور مشائخ بخاریٰ کا مسلک ہے اور فتاویٰ عالمگیری کے مطابق اسی پر فتویٰ ہے۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ کے مطابق خواہ اس نے یہ شرط رکھی ہو، یا نہ، بہر صورت اسے ناظر و قیم کے عزل و نصب کا اختیار حاصل ہے۔ مشائخ بلخ اسی کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے[2] مگر چونکہ انتظامی اعتبار سے اس کیلیے پر عمل کرنے کی صورت میں سخت دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اسی لیے متاخرین نے اس مسلک کو فتویٰ کے لیے پسند نہیں کیا۔

البتہ اگر "متولی یا ناظر" کی جانب سے کسی قسم کی بدانتظامی یا بد دیانتی یا بد باطنی وغیرہ کا اظہار ہو، تو بالاتفاق "عدالت" اس کو معزول کر سکتی ہے۔

اسی طرح اگر "ناظر" کے تقرر یا اس کے خلاف کسی شکایت وغیرہ کے سلسلے میں کوئی تنازعہ ہو جائے، تو اس کے متعلق بھی عدالت (قاضی) فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔ اسی طرح

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۴۰۸ - ۴۰۹ -

[2] البحر الرائق، کتاب الوقف۔

[3] فتاویٰ عالمگیری بمحل مذکور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے دیگر مسائل و معاملات میں عدالت کو اختیارات خصوصی حاصل ہوتے ہیں لے گویا "عدالت" احکامِ وقف کے سلسلے میں اس کے وقوع و نفاذ سے لے کر اس کے اختتام و کمال تک اس کی نگران تسلیم کی گئی ہے اور اسے شریعت اسلامیہ میں یہ حق دیا گیا ہے، کہ وہ جہاں کوئی کمزوری دیکھیے، اس کی اصلاح کر دے۔

۲۔ متولی وقف کے فرائض:

"متولیِ وقف" کے فرائض میں یہ بات شامل ہے۔ کہ "متولی" "وقف شدہ" شیٔ کا بانی وقف سے قبضہ لے، جسے اصطلاحِ فقہ میں تسلیم (سپرداری) کہا جاتا ہے۔ تسلیم کا ہونا اگرچہ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لازمی شرط نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ہاں "وقف" بغیر تسلیم و رضا کے بھی درست سمجھا جاتا ہے۔ مگر چونکہ امام محمدؒ اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک یہ لازمی شرط ہے اور پھر "تصرفات" وغیرہ بھی اس کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس کا اوّلین کام اس کی وصولی کا ہے۔

پھر متولی یا منتظم کا دوسرا فرض یہ ہے۔ کہ وہ وقف کے مقاصد اور اس کی شرائط کا بغور مطالعہ کرے اور ان مقاصد اور شرائط کے مطابق وقف کو چلانے کی کوشش کرے ان شرائط و مقاصد میں اگر کوئی بات مبہم یا خلاف ضابطہ شریعت ہو۔ تو متولی و منتظم اس کے متعلق بانی وقف سے ہدایات لے سکتا ہے۔ یا پھر عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے اس کی توضیح یا اس میں ترمیم کر سکتا ہے۔

"وقف شدہ" شیٔ کے قیام و بقا کے لیے جتنی اشیاء ضروری ہیں۔ ان سب کی تکمیل بھی متولی و منتظم کی ذمہ داری ہے۔ مثال کے طور پر زرعی جائیداد ہونے کی صورت میں زرعی پیداوار جمع کرنے کے لیے ایک عمارت، (یا پھر اس کی مرمت)، زراعت و باغبانی کے لیے غلاموں، خدام، جانوروں، بیج اور دیگر آلات و اشیاء کا حصول یا ان کی تبدیلی یا ان کی حسبِ موقعہ فروخت وغیرہ۔

---

لے فتاویٰ عالمگیری، ۲: ۴۰۸۔ ۱۲ھ و بعد بعنوان ولایت الوقف و تصرف القیم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ملازمین کے عزل و نصب کا اختیار بھی بنیادی طور پر متولی یا ناظر وقف کو ہی حاصل ہوتا ہے، الا یہ کہ بانی وقف نے اس کام کا اختیار خود اپنے پاس رکھا ہو۔[۱]

پھر "مال وقف" کو کرائے یا اجارے پر دینے یا اس کی پیداوار کو فروخت کرنے کا اختیار بھی اسی کو حاصل ہوتا ہے، ان سب معاملات میں اس کے اختیارات کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا، الّا یہ کہ ان معاملات میں اگر اس کی بد دیانتی ثابت ہو جائے، تو اس کے متعلّق عدالت سے چارہ جوئی کی جا سکتی ہے اور عدالت ان معاملات میں اس کی بد دیانتی ثابت ہونے پر، اس کے ان تصرفات کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

"مال وقف" سے جو آمدنی حاصل ہو، ضروری اخراجات پورے کرنے کے بعد اسے "موقوف علیہم"، یا مقاصد وقف پر خرچ کیا جائے، اس بارے میں اسے حتمی طور پر "بانی وقف" کی ہدایات یا شرائط کی پابندی کرنا لازم ہوگی۔ خلاف ورزی ہونے کی صورت میں اسے مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے اور اس کا محاسبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ الّا یہ کہ بانی وقف کی شرائط میں یا موقوف علیہم کی فہرست میں اگر کوئی ابہام یا پیچیدگی یا خلاف ضابطگی ہو، تو اسے متولی عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے دور کر سکتا ہے اور پھر عدالتی احکام کی روشنی میں اسے "تقسیم منافع" کا پابند ٹھہرا جائے گا۔[۲]

## ب۔ متولی وقف کی اجرت کے مسائل شرعی:

ا۔ اگر تو بانی وقف نے کسی متولی یا ناظر کو۔ اس کی خدمات کے صلے کے طور پر سالانہ (یا ماہانہ) طور پر کچھ اجرت (تنخواہ۔ الاؤنس وغیرہ) دینا طے کیا ہو، تو بالاتفاق متولی یا ناظر الوقف وہ مقررہ اجرت وصول کرنے کا مجاز ہے خواہ وہ تنخواہ کم ہو یا زیادہ۔ تاہم اس تنخواہ یا الاؤنس لینے کی وجہ سے اس پر ان سارے کاموں کی ادائیگی ضروری نہیں سمجھی گئی۔ جو عام طور پر "نوکر" یا وکلاء (مختار) انجام دیتے ہیں، اس کے بجائے وہ وہی کام

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری، ۲ : ۴۰۸۔ ۴۱۲ دبعد بعنوان ولایت الوقف و تصرف القیم

[۲] فتاویٰ عالمگیری۔ بمحل مذکور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انجام دے گا، جو اس کے لیے ممکن ہوں، مثال کے طور پر اگر کسی وقف کا متولی کسی خاتون کو مقرر کیا گیا ہو اور اسے اس کام کے لیے باقاعدہ اجرت بھی ملتی ہو، تو بایں ہمہ وہ فقط انہی امور کی ادائیگی کی پابند ہو گی، جو شرعی طور پر اس کے لیے اداکرنا ضروری ہیں[1] متولی وقف کی اجرت اگر بانی وقف کی جانب سے مقرر کی جائے۔ تو پھر وہاں اس سوال کی گنجائش بھی نہیں رہتی، کہ آیا اس کی یہ اجرت اس کے کام اور ذمہ داریوں کے مماثل ہے یا نہیں، بالفرض اگر اس کی تنخواہ اس سے زیادہ مقرر کر دی جائے۔ جو عام طور پر اس قسم کے کام اداکرنے کی نسبت ہوتی ہے، تو تب بھی اس کی یہ تنخواہ جائز ہو گی اسی طرح اگر متولی وقف کسی بیماری یا عذر مثلاً دیوانگی، اندھاپن یا بہرہ پن وغیرہ کی بنا پر پہلے کی طرح خدمات انجام دینے کے اہل نہ رہے۔ مگر جب تک امر و نہی کرنے (ہدایات دینے یا) کا اہل ہو، اس کی یہ تنخواہ بحال رہے گی۔ دیوانگی کی صورت میں اس کی معزولی کے لیے ایک سال تک اس کا دیوانہ رہنا (جنون المطبق) ضروری ہے[2] ایک سال سے زیادہ طوالت کی صورت میں اس کا دوسرا متولی مقرر کیا جانا ضروری ہے اور ایسا کرنا اب عدالت کا کام ہے۔ بشرطیکہ اس بارے میں بانی وقف کی جانب سے کوئی متبادل تقرری یا شرط موجود نہ ہو، ورنہ اس کی شرائط کا احترام کیا جائے گا[3]

۲۔ اور اگر بانی وقف نے اس کام کے لیے کوئی اجرت مقرر نہ کی ہو، تو اگر وہ متولی مستحق ہو۔ تو اسے اس قسم کی خدمات اداکرنے والوں کے مماثل اجرت لینے کی اجازت ہو گی، اور اگر وہ مالدار شخص ہو، تو پھر اسے اجرت وصول کرنے سے پرہیز کرنا بہتر ہو گا۔

۳۔ وقف سے متعلقہ کارکنوں اور عمال کی تنخواہوں اور دیگر مالی مراعات کی تعیین و تشخیص کا حق متولی وقف کو حاصل ہوتا ہے، وہ جس طرح ان کے عزل و نصب میں مختار

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ۲، ۴۲۵۔

[2] ایضاً ۲ص ۴۲۵

[3] ایضاً ۲ص ۴۲۵۔ ۴۲۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہے ، اسی طرح ان کے مالی فوائد کی تعیین میں بھی با اختیار فرد ہے ، تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے یہ احکام اس قسم کی خدمات ادا کرنے والوں کے مماثل ہوں ، خلاف ورزی کی صورت میں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے اس کے احکام کو منسوخ کرایا جاسکتا ہے[1]

## اوقاف اسلامی تاریخ کی روشنی میں

جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا "وقف" کا سلسلہ خود ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا اور بلا تخصیص اسلامی تاریخ کے ہر دور میں یکساں ذوق و شوق قائم و دائم رہا مسلمانوں کی قومی تاریخ ایسے "اوقاف" کی تفصیل سے بھری ہوئی ہے ، جنہیں ان کے بانیوں نے ولولہ انگیز طریقے سے قائم فرمایا اور جو صدیوں تک ان کے بانیوں کی دریا دلی اور فیاضی کی داستان سرائی کے ساتھ ساتھ افادہ عام وخاص اور نفع عوام کا ذریعہ رہے ، آسانی کے لیے اوقاف کی اس تاریخ کو حسب ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

ا ۔ اوقاف عہد نبوی ۔
ب ۔ اوقاف عہد خلفائے راشدین ۔
ج ۔ اوقاف اسلامی : تاریخی جائزہ ۔
د ۔ اوقاف اسلامی ترکی ۔
ھ ۔ اوقاف پاکستان و ہند ۔
و ۔ غیر مسلموں کے اوقاف ۔

### ا ۔ اوقاف عہد نبوی :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں متعدد اوقاف قائم ہوئے ، ان کی تفصیل اس طرح ہے :

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ، ۲ : ۴۲۰ - ۴۲۷ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


### ۱۔ مساجد:

آنحضورؐ کے زمانۂ اقدس میں قائم شدہ اوقاف میں "مساجد" سرفہرست ہیں۔ ان مساجد کی تفصیل اس طرح ہے۔

| نام مسجد | واقف/بانی |
|---|---|
| ۱۔ مسجد نبوی[1] | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اپنے سرمائے سے آنحضورؐ کی مدد فرمائی تھی) |
| ۲۔ مسجد قبا | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل قبا۔ |
| ۳۔ مسجد بنی عمرو | بنو عمرو |
| ۴۔ مسجد بنو ساعدہ | بنو ساعدہ |
| ۵۔ مسجد بنی عبید | بنو عبید |
| ۶۔ مسجد بنی سلمہ | بنو سلمہ |
| ۷۔ مسجد بنی رانج | بنو رانج |
| ۸۔ مسجد بنی زریق | بنو زریق |
| ۹۔ مسجد غفار | بنو غفار |
| ۱۰۔ مسجد بنی اسلم | بنو اسلم |
| ۱۱۔ مسجد جہنیہ | بنو جہینہ[2] |

یہ تو وہ مساجد تھیں، جو خاص مدینہ منورہ میں واقع تھیں، ان کے علاوہ مدینہ منورہ کے آس پاس بھی متعدد مساجد موجود تھیں، جن میں مسجد بنی حذارہ، مسجد بنی امیہ (ایک

---

[1] مسجد نبوی کے "وقف" پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے: "باب وقف الارض للمسجد" اور اس میں یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ جب آنحضورؐ نے بنو نجار سے مسجد کے لیے جگہ خریدنا چاہی، تو انہوں نے کہا "بخدا ہم اس کی قیمت وصول نہ کریں گے یہ زمین ہم اللہ کے لیے دیتے ہیں (۲: ۱۹۵)

[2] معین الدین ندوی: تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


نصاری قبیلہ) ، مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فیصل، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیح، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی الاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی لعاویہ، مسجد عاتکہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وائل اور مسجد الشجرہ وغیرہ مساجد قابل ذکر ہیں۔[1]

یہ سب مساجد "وقف" کے لیے ایک پائیدار بنیاد فراہم کرتی ہیں، اسی بنیاد پر آگے چل کر قانون وقف کی نشو ونما ہوئی۔

## ب ۔ دیگر اوقاف :

عہد نبوی میں مساجد کے علاوہ بھی بہت سی اشیاء وقف کی گئیں۔ ان تمام اشیاء کی تفصیل حسب ذیل ہے :

### ۱۔ حضرت ابوطلحہ انصاری کا باغ وقف کرنا :

مدینہ منورہ میں حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا ایک باغ تھا، جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے واقع تھا، اس باغ کا نام "بیرحاء" تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہاں تشریف لاتے، اور اس کا عمدہ پانی نوش فرماتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ:

"جب آیت قرآنی لن تنالوا البر .... نازل ہوئی، تو حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے "تم ہرگز نیکی کو نہ پاسکو گے، جب تک کہ اپنی محبوب شئ (راہ خدا میں) خرچ نہ کردو" اور مجھے اپنی سب سے محبوب شئ میرا باغ بیرحاء ہے، میں اسے راہ خدا میں اس نیت سے صدقہ کرتا ہوں۔ کہ یہ نیکی اور ذخیرہ آخرت کے طور پر خدا تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہو جائے، لہذا آپ جہاں مناسب سمجھتے ہیں، اس کو صرف فرمائیں۔ اس پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ بہت خوب، یہ سودا تو بہت نفع دینے والا ہے۔ میں نے تمہاری بات سن لی ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ تم اسے اپنے قریبی رشتے داروں کو دے دو۔ اس پر ابوطلحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایسے ہی کروں گا، چنانچہ انہوں

---

[1] عینی : شرح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، نیز معین الدین ندوی : تاریخ اسلام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے یہ باغ اپنے قریبی رشتے داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔[1]

سورۃ آل عمران چونکہ ۳ھ میں نازل ہوئی (کیونکہ اس میں غزوۂ احد کا ذکر ہے)۔ اس لحاظ سے یہ واقعہ بھی کم و بیش اسی زمانے میں پیش آیا۔ اس روایت میں گو اساسی طور پر صدقہ کرنے کا ذکر ہے، مگر محدثین اور فقہاء نے اس سے "وقف" ہی کا مفہوم اخذ کیا ہے: چنانچہ امام بخاریؒ نے اس پر حسب ذیل عنوان قائم کیا ہے:

"باب اذا وقف ارضاً ولم یبیّن الحدود فھو جائز" وکذالک الصدقۃ"!

## ۲۔ حضرت عمر فاروق کا اپنی زمینیں وقف کرنا:

عہد نبوی میں یوں تو وقف کے کئی واقعات پیش آئے، مگر "قانون وقف" کی توسیع پذیری موشگافیوں کے لیے سب سے زیادہ نظیر (مثال) بننے والا واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کا اپنی زمینوں کو وقف کرنا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے۔ کہ ۷ھ میں جب خیبر کا علاقہ فتح ہوا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاقہ مختلف صحابہ کرام۔ بالخصوص مہاجرین میں تقسیم فرما دیا، تاکہ یہ حضرات، جو انتہائی تنگی و ترشی سے گذر بسر کر رہے تھے۔ قدرے فارغ البالی سے وقت گذار سکیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی دربار نبوی سے ایک ایسا ہی قطعۂ زمین میسّر آیا۔ بعض دیگر روایات میں ہے۔ کہ انہوں نے کچھ اراضی یہاں خرید بھی فرمائی تھی،[2] اس طرح یہاں ان کی کافی مملوکہ زمین ہو گئی۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ خدمت نبوی میں پہنچے اور عرض کی:

"یا رسول اللہ مجھے خیبر میں جو زمین ملی ہے، میں آج تک اس سے عمدہ جائیداد کا مالک نہیں ہوا،[3] تو آپ مجھے اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو محفوظ رکھو اور (اس کے فوائد)

---

[1] البخاری: الجامع الصحیح، ۲: ۱۹۴ (۲۶/۵۵)

[2] امام شافعیؒ نے کتاب الاُمّ (۴: ۵۲) میں صراحت کی ہے۔ کہ حضرت عمر نے خیبر میں مختلف مجاہدین اسلام سے سو حصّے خرید فرمائے تھے، یہ جائیداد انہی حصّوں پر مشتمل تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


صدقہ کردو چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شرط کے ساتھ اس زمین کو وقف کر دیا، کہ اس کی اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جاسکے گا اور نہ ہی ہبہ اور نہ ہی اس سے وراثت کا سلسلہ چلے گا، یہ زمین فقراء، قریبی رشتے داروں، غلاموں، راہِ خدا، مہمانوں اور مسافروں کے لیے صدقہ ہوگی ، جو شخص اس جائیداد کا متولی (منصرم) ہوگا۔ اس پر کوئی گناہ نہیں، کہ وہ اس سے معروف طریقے کے مطابق خود کھائے یا کسی غیر مالدار دوست کو کھلائے[1]

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی دستاویز وقف میں جو الفاظ استعمال فرمائے یہ الفاظ آج تک "قانون وقف" کی اساس کے طور پر غیر معمولی حیثیت رکھتے ہیں ابتدائی زمانہ اسلام سے ہی دنیا بھر کی دستاویزات وقف انہی الفاظ پر مشتمل ہوتی رہی ہیں۔ اسی لیے "وقف" کے الفاظ کے انتخاب واستعمال کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کو اولیت کا شرف حاصل ہے اور اسے بھی بلاشبہ "اولیات عمر" میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

### ۴۔ حضرت عثمان غنیؓ کے اوقاف:

حضرت عثمان غنیؓ نے بھی مختلف اشیاء راہِ خدا میں وقف فرمائیں، چنانچہ انہوں نے اپنے مکان کا محاصرہ کیے جانے پر محاصرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

#### ا۔ بئر رومہ کا وقف:

"میں تم سے قسم دے کر یہ پوچھتا ہوں اور میں یہ قسم فقط صحابہ کرامؓ کو دیتا ہوں، کہ کیا تم نہیں جانتے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، کہ جس شخص نے بئر رومہ کھودا (حاصل کیا) اس کے لیے جنت کی بشارت ہے، تو میں نے اسے کھودا (خرید کیا) تھا"[2]

اس کا پس منظر یہ تھا، کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئے، تو انہیں پانی

---

[1] البخاری، ۲: ۱۹۵ (۲۸/۵۵)۔

[2] ایضاً، ۲: ۱۹۶ (۳۳/۵۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


پینے کے حصول میں سخت دشواری پیش آئی۔ مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا، جو قیمتاً پانی بیچا کرتا تھا۔ جبکہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی غربت کے باعث "حصول آب" میں تنگی محسوس کرتی تھی۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "بئر رومہ" خریدنے اور مسلمانوں کے لیے وقف کرنے کی، صحابہ کرامؓ کو ترغیب دلائی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرما دیا۔

ب ۔ دیگر کنوئیں :

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ کے علاوہ بھی متعدد کنوئیں خرید کر یا کھدوا کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمائے، ان میں بئر سائب، بئر عامر اور بئر اریس قابل ذکر ہیں[1] یہ بئر اریس وہی کنواں ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بابرکت انگوٹھی، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کی زینت بن چکی تھی، حضرت عثمان کے ہاتھ سے گر گئی تھی اور تلاش بسیار کے باوجود بھی دستیاب نہ ہوئی تھی۔

ج ۔ مسجد نبوی کی توسیع :

عہد نبوی ہی میں مسجد نبوی نمازیوں کی وسعت سے تنگ نظر آنے لگی، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو قریبی زمین خرید کر مسجد کے لیے وقف کرنے کی ترغیب دلائی، جس پر حضرت عثمانؓ نے قریبی قطعۂ زمین خرید کر مسجد نبوی کے لیے وقف فرمایا[2]

د ۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر سامان رسد کی فراہمی :

غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام کو سخت تنگی کا سامنا تھا، ایک تو اس لیے کہ یہ سخت گرمی کا موسم اور دور دراز کا سفر تھا اور دوسرے اس بنا پر کہ اس موقع پر مقابلہ دنیا کی ایک بڑی طاقت سے تھا، مگر لشکر اسلام کے پاس سامانِ رسد تک موجود نہ تھا۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام چندے کا اعلان فرمایا، جس میں ہر صحابی نے اپنی

---

[1] ابو داؤد : الجامع السنن، باب فی فضل سقی الماء۔

[2] الترمذی : الجامع السنن، ۲ : ۲۹۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


اپنی حیثیت کے مطابق حصّہ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس موقع پر سامانِ رسد کے لیے تین سو اونٹ بمع ساز وسامان ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کیے، جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مسرور ہوئے کہ آپ فرماتے تھے "آج کے بعد عثمان کچھ بھی کریں۔ ان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا"[1]

## ۲۔ حضرت علیؓ کے اوقاف:

حضرت علیؓ نے بھی چند اوقاف اپنی طرف سے وقف فرمائے تھے۔ امام شافعیؒ بعض مستند ذرائع سے یہ روایت نقل فرماتے ہیں، کہ حضرت علیؓ نے (ینبوع) میں واقع اپنی جائیداد کو "وقف" عام کیا ہوا تھا[2]۔ ینبوع جزیرۂ عرب کے مغربی ساحل پر واقع ایک خوشحال بستی ہے، جو اپنے نخلستان کے باعث مشہور ہے؛ یہاں حضرت علیؓ کی ملکیت میں باغ کے علاوہ زرعی زمین اور چشمے بھی تھے۔ یہ تمام جائیداد انہوں نے راہِ خدا میں وقف فرما دی تھی۔

## وقف آلِ بنی ہاشم:

امام شافعیؒ ہی نے یہ روایت نقل فرمائی ہے۔ کہ ایک مرتبہ حاکم مدینہ کو "آل ابی رافع" سے صدقے (وقف) کی ایک دستاویز ہاتھ لگی، جب اسے کھولا گیا، تو اس میں لکھا تھا:

"یہ جائیداد (حضرت) علی نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لیے صدقہ کی ہے، اور بعض دیگر خاندانوں کے لیے (جن کے نام حضرت علیؓ نے لکھے تھے)[3]"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ حالانکہ بنو ہاشم پر فرضی صدقہ (زکوٰۃ) حرام ہے؛ اسی طرح حضرت علیؓ نے یہ صراحت بھی نہیں فرمائی۔ کہ ان کا یہ وقف فقرا کے لیے ہے یا مالداروں کے لیے، جبکہ بنو ہاشم میں دونوں طرح کے لوگ تھے"۔

---

[1] الترمذی: الجامع السنن، ۲: ۲۹۵۔

[2] کتاب الام، ۴: ۵۳۔

[3] ایضاً، ۴: ۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


## ۵ ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا قائم کردہ وقف :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے بعض مستند ذرائع سے یہ روایت نقل فرمائی ہے، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی زندگی میں آل ہاشم کے لیے ایک وقف قائم کیا تھا اور یہ کہ وہ زندگی بھر اپنے اس وقف کی متولیہ اور منتظمہ رہیں[1] البتہ انہوں نے یہ صراحت نہیں فرمائی کہ ان کا یہ وقف کہاں اور کس نام سے واقع تھا۔

## ۶ ۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام کا قائم کردہ وقف :

مشہور صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے بھی ایک وقف قائم کیا تھا، مگر ان کے اس وقف کی نوعیت بالکل مختلف تھی ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے، کہ انہوں نے:

"اپنے مکانات اپنی ان بیٹیوں کے لیے وقف فرما دیئے تھے، جنہیں کسی وجہ سے ان کے سسرال سے نکلنا پڑے، ان مکانوں میں انہیں بغیر تکلیف کے ٹھکانہ اور رہائش دی جائے ۔ پھر جب ان کی، ان کے خاوند کے ساتھ مصالحت ہو جائے ۔ تو پھر انہیں یہاں رہنے کا کوئی حق نہ ہوگا"[2]

## ب ۔ اوقافِ عہدِ خلافتِ راشدہ :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (یا ۹ ربیع الاول) کو وصال فرما گئے، تو مسلمانوں میں اگلے تیس سالوں (۱۱ ۔ ۴۰ھ) کے لیے "خلافتِ راشدہ" کا نظام قائم ہو گیا ۔ اس دور کو اس بنا پر تاریخ اسلام میں خصوصی اہمیت حاصل ہے، کہ اس دور میں نہ صرف عہدِ نبوی کا نظام قائم رہا، بلکہ اس عہد میں کئی پہلوؤں سے امورِ نبوت کی تکمیل بھی ہوئی، یوں یہ "عہدِ خلافت علیٰ منہاج النبوت" کا مصداق ہونے کی بنا پر قرآنی پیشگوئی کے عین مطابق بھی ہے اور اپنے خصوصی کردار کے باعث تاریخ اسلام کا سنہرا دور کہلانے کا حقدار بھی ۔

---

[1] کتاب الام، ۴ : ۵۹ ۔

[2] البخاری، ۲ : ۱۹۶ (۳۳/۵۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خلافت راشدہ کے اس تیس سالہ دور میں نہ صرف "وقف" کا مذکورہ تصور زیادہ واضح، گہرا اور مستحکم ہوا، بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے۔ اسی عہد میں "وقف" عام صدقات سے متمیز ہوا اور پہلی مرتبہ وسیع البنیاد اوقاف کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں دو طرح کے اوقاف قائم کیے گئے؛ اولاً: انفرادی اور ثانیاً اجتماعی یا سرکاری۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

### ۱۔ انفرادی اوقاف:

اس تیس سالہ دور میں انفرادی سطح پر بے شمار اوقاف کا قیام عمل میں آیا، ان میں باغات، زرعی اراضی بھی شامل تھیں اور کنوئیں، مکانات اور مساجد بھی۔ امام شافعیؒ نے بعض معتبر شہادتوں کی بنیاد پر یہ لکھا ہے، کہ "مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں" مہاجرین اور انصاری صحابہ کرام نے بے شمار اوقاف قائم فرما رکھے تھے، جن اوقاف کے وہ خود حینِ حیات متولی اور منصرم رہے، اور ان کی وفات کے بعد وہ اوقاف ان کی اولاد کو منتقل ہو گئے"۔ اس سلسلے میں امام فرماتے ہیں کہ یہ اوقاف اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے لیے سند کا ذکر کرنا خواہ مخواہ کا تکلف ہے[۱]

ایک اور روایت میں امام شافعیؒ نے مشہور ہاشمی بزرگ محمد بن جعفر کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ ان سقایات (پانی سے بھرے ہوئے بڑے بڑے برتنوں) سے پانی پی لیا کرتے تھے، جو لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مسافروں کے لیے رکھ چھوڑتے تھے۔ حالانکہ بنو ہاشم پر صدقہ سے استفادہ کرنا حرام ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق صدقۂ مفروضہ (زکوٰۃ وغیرہ سے) نہ تھا، بلکہ اس کا تعلق نفلی صدقات سے تھا[۲]! اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس قسم کے اوقاف اس زمانے میں عام اور بکثرت ہو گئے تھے اور ان میں "افادۂ عام" کا تصور زیادہ واضح اور مستحکم ہو گیا تھا۔

---

[۱] کتاب الام، ۴ : ۵۳۔

[۲] ایضاً، ۴ : ۵۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## ۲۔ اجتماعی یا سرکاری اوقاف :

تاہم اس ضمن میں جو پیش رفت ہوئی، اس کا تعلق قسم ثانی یعنی اجتماعی یا سرکاری اوقاف سے تھا، اس عہد میں وسیع البنیاد اوقاف کا قیام عمل میں آیا، تفصیل اس طرح ہے :

## ۱۔ مذہبی اوقاف :

اس زمانے میں مذہبی اوقاف میں وسعت پیدا ہوئی۔ خلفائے راشدین، بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سرکاری اہتمام کے ساتھ بے شمار مساجد تعمیر فرمائیں؛ انہوں نے شام کے عمال کو تحریر فرمایا، کہ ہر شہر میں ایک مسجد (سرکاری طور پر) تعمیر کی جائے[۱] صاحب روضۃ الاحباب کا بیان ہے، کہ خلیفۂ دوم نے چار ہزار مساجد تعمیر کرائیں اور ان مساجد میں باقاعدہ تنخواہ دار امام اور مؤذن مقرر فرمائے۔

۱۷ھ میں حرم کعبہ کی توسیع عمل میں آئی اور اس کے گرد چار دیواری بنوائی گئی[۲] اسی طرح انہوں نے مسجد نبوی کی توسیع بھی فرمائی اور ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل جتنے مکانات تھے، ان سب کو خرید کر مسجد میں شامل فرمالیا۔ مسجد میں ایک طرف ایک چبوترہ بنوایا، تاکہ جن لوگوں کو کوئی بات چیت کرنا ہو، یا شعر پڑھنا ہو، وہ یہاں آکر اپنا شوق پورا کرلیں[۳] بعد ازاں ۲۹ھ عہد عثمانی میں مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر اور توسیع نہایت شاندار طریقے سے انجام پائی، عمارت کے لیے چونا اور پتھر بطن نخل سے منگوایا گیا اور ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال فرمایا[۴]

اسی طرح عہد صدیقی میں مصحف قرآن مجید کی "دو جلدوں کے مابین" تدوین عمل میں آئی، جو مذہبی اعتبار سے ایک یادگار کارنامہ تھا، بعد ازاں حضرت عثمان غنی کے زمانے میں اسی

---

۱ مقریزی، الخطط، ۲ : ۲۴۶۔

۲ البخاری، کتاب الصلوٰۃ۔

۳ خلاصۃ الوفاء، ص ۱۳۲، ۱۳۳۔

۴ ابن الاثیر: تاریخ الکامل، ۲ : ۳۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مصحف کی متعدد نقول تیار کروا کر مختلف بلاد اسلامیہ میں ارسال کیے گئے۔ جن کی نقول پورے عالم اسلامی میں ہمیشہ متداول رہیں[۱] اور مصحف کے وقف کی مثال بنیں۔

## ۲ - رفاہِ عامہ کے اوقاف:

عہد خلافت راشدہ میں مذہبی مقاصد کے لیے قائم کردہ اوقاف کے علاوہ رفاہِ عامہ کے لیے بھی بے شمار اوقاف قائم کیے گئے۔

"خیبر و فدک" میں "خمس" کے اصول کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اراضی تھی، اور جسے آپ بالخصوص مسافروں اور مساکین کی خبر گیری کے لیے استعمال فرماتے تھے، عہد صدیق اکبرؓ میں بھی ان کا یہی مصرف قائم رہا۔ بعض ازواج مطہرات اور بعض اہل بیت نبوی کی طرف سے جب اس اراضی کی حسب اصول وراثت تقسیم کا سوال اٹھایا گیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس حدیث نبوی کی بنیاد پر "کہ ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث بنا کر نہیں جاتے، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے" ان کا یہ مطالبہ مسترد فرما دیا اور مذکورہ اراضی کو بدستور سرکاری ملکیت میں رہنے دیا اور اس کے مصارف حسب سابق بحال رکھے۔ یہ اراضی خلفائے راشدین کے زمانے (بشمول عہد حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ) میں اسی حیثیت میں برقرار رہی، البتہ بنو امیہ کے زمانے میں اسے ذاتی ملکیت بنا لیا گیا، جس پر خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے، اسے بدستور اس کی سابقہ حیثیت پر لوٹا دیا[۲]

### ب - نہروں کی تعمیر:

خلافت راشدہ کے زمانے میں مختلف علاقوں اور شہروں کو آب رسانی کے لیے متعدد نہریں کھودی گئیں: چنانچہ نہر ابو موسیٰ کے ذریعے بصرہ کو، نہر سعد کے ذریعے اہل انبار کو پانی پہنچایا۔ نیز مصر سے بروقت غلہ منگوانے کے لیے ۱۸ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے دریائے نیل اور بحیرۂ قلزم کے مابین ۹۹ میل کی لمبی نہر کھدوائی، جس سے غلہ سے بھرے

---

۱۔ البخاری وغیرہ۔

۲۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۱۵ : ۲۱۰ - ۲۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہوئے جہاز براہِ راست مدینہ منورہ آنے لگے ؛ اسی طرح اسی زمانے میں نہر معقل بھی تیار ہوئی[1]

## ج ۔ مہمان خانوں / سرائوں کا قیام :

اس عہد میں مسافروں کے لیے مہمان خانوں / سرائوں کا قیام بھی عمل میں آیا ۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کے لیے مسافر خانے تعمیر ہوئے جیسا کہ البلاذری نے کوفہ اور مدینہ منورہ میں ایسے مہمان خانوں کی صراحت کی ہے ؛[2] جبکہ الطبری نے لکھا ہے کہ عہد حضرت عثمانؓ میں کوفہ میں عقیل اور ابن ھبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع مہمان خانہ تیار کرایا گیا[3] ؛ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ اور نجد کے درمیان برلب سڑک ایک سرا تعمیر کرائی گئی اور اسکے متعلق ایک بازار بسایا اور شہر میں پانی کا ایک کنواں کھدوایا گیا[4]

## د ۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر :

سڑکوں اور پلوں کے متعلق امام سیوطیؒ نے لکھا ہے ، کہ اس نوع کے کام بھی بیت المال سے انجام پاتے تھے[5] ؛ مگر بعض دیگر مآخذ سے پتہ چلتا ہے ، کہ یہ عمومی انتظام نہیں تھا ۔ اس کے بجائے مفتوح اقوام کے صلح ناموں میں یہ شرط رکھی جاتی تھی ، کہ وہ پل اور سڑکیں خود بنائیں گی ۔ چنانچہ الطبری نے ۱۶ھ کے ایک معاہدے میں یہ فقرہ بھی تحریر کیا ہے ۔ کہ کاشتکار سڑک اور پل خود بنائیں گے اور بازار لگائیں گے[6]

---

[1] المقریزی : الخطط ؛ حسن المحاضرہ للسیوطی ، وغیرہ ۔

[2] فتوح البلدان ، بذیل مادہ کوفہ ۔

[3] الطبری ، ۶ : ۲۸۴۲ ۔

[4] وفاء الوفا ، ۲ : ۲۱۷ ، ۲۵۴ ۔

[5] حسن المحاضرہ ، ۱ : ۶۳ ۔

[6] الطبری ، ص ۲۴۷۰ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین آمد و رفت کو آسان بنانے کے لیے عہد فاروقی میں ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے گئے[1]۔ اسی طرح عہد عثمانی میں مدینہ منورہ کو خیبر کی جانب سے آنے والے سیلاب سے محفوظ کرنے کے لیے، مدینہ منورہ سے تھوڑے فاصلے پر عدری کے قریب ایک بند ھ بندھوایا گیا اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رُخ دوسری جانب پھیر دیا گیا[2]۔

## ھ۔ نئی مفتوحہ اراضی:

ان چھوٹے چھوٹے اوقاف کے علاوہ اس عنوان سے جو اہم اور وقیع نوعیت کا معرکہ آرا کام ہوا، وہ نو مفتوحہ اراضی کو "وقف" قرار دینا تھا۔ فتوحات کا سلسلہ گو عہد نبوی میں ہی شروع ہو گیا تھا، مگر اس میں وہ وسعت اور عمومیت پیدا نہ ہوئی تھی، جو عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں جا کر ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں پہلی مرتبہ ان اراضی کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ بعض صحابہ کرامؓ کی رائے تھی کہ اس تمام اراضی کو حسب دستور مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے، مگر حضرت عمر فاروقؓ اس رائے کے حق میں نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ایسا کیا گیا۔ تو ایک طرف تو اسلام میں بذات خود بڑے بڑے زمیندار پیدا ہو کر، جاگیرداری نظام کی تقویت اور احیا کا باعث بنیں گے اور دوسری طرف اس سے مجاہدین کے فتوحات کی طرف اٹھتے ہوئے قدم رک جائیں گے، لہذا انہوں نے سورۃ الحشر کی آیت والذین جاء وا من بعدھم (اور جو لوگ ان کے بعد آئیں گے، یہ مال غنیمت ان کے لیے بھی ہے) سے استدلال کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا، کہ یہ اراضی اجتماعی (بیت المال کی) ملکیت میں رہے اور اس پر اس کے سابق مالکان خراج ادا کرنے کی شرط پر قابض رہیں۔ اس طرح ان اراضی سے جو آمدن ہو، اسے تمام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے[3]۔ یہ گویا اس زمین کو "وقف علی المسلمین" قرار دینے کی صورت تھی۔

---

[1] الطبری، ص ۲۴۷۰
[2] وفاء الوفا، ۲ : ۲۵۴۔
[3] الوثائق السیاسیہ، عدد ۳۵۴ - ۳۵۵، ۳۶۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



### د ۔ قرضِ حسنہ کی اسکیم :

حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال کے ایک حصّے کو بطور قرض حسنہ کے وقف فرما دیا ۔ ضرورت مند افراد اس میں سے قرض حسنہ وصول کر کے وقت پر لوٹا دیتے تھے ۔ تاہم اگر کوئی شخص اس رقم سے کاروبار کرتا ۔ تو اسے مذکورہ رقم بمع منافع واپس کرنا ہوتی تھی ۔ یہ گویا صنعتی مقاصد کے لیے قرضہ جاری کرنے کی صورت سے مشابہ صورت تھی (تفصیل اوپر آچکی ہے) ۔

### ج ۔ اوقاف اسلامی : عمومی جائزہ ۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ مسلمانوں کے مذہبی و رفاہی "اوقاف" کی تفصیل سے بھری پڑی ہے ۔ یہ تفصیل مسلمانوں کے ان ولولہ انگیز اور خدا ترس جذبوں کی غماز ہے، جنہوں نے ان کے دلوں کو پرجوش اور ذہنوں کو پرہمت بنا رکھا تھا ۔

ان اوقاف کو ہم آسانی کے لیے تین حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، یعنی مذہبی اوقاف (مساجد و مدارس)، رفاہی اوقاف اور خاندانی اوقاف ۔ اوّل الذکر دونوں اقسام کو "اوقاف خیریہ" بھی کہا جاتا ہے ۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے ۔

### ا ۔ مذہبی اوقاف :

#### ا ۔ مساجد :

ابتدائی زمانۂ اسلام میں جو مساجد تعمیر ہوئیں، وہ زیادہ تر مسلمانوں کی اجتماعی کوششوں کی مرہونِ منت تھیں، مثال کے طور پر مدینہ منورہ میں مسجد قبا اور مسجد نبوی، اسی طرح، کوفہ، بصرہ، دمشق وغیرہ کی مسجدیں ۔ تاہم جلد ہی قبائل کی سطح پر مساجد کی تعمیر ہونے لگی، مثال کے طور پر مدینہ منورہ میں مسجد عمرو بن عوف[1] مسجد بنو غنم بن عوف[2] اور مدینہ منورہ کے آس پاس بنو قریظہ، بنو حارثہ، بنو ظفر، بنو وائل، بنو حرام اور بنو زریق کی مساجد وغیرہ

---

[1] ابن سعد : الطبقات، ۱ / ۱۱ : ۶، س ۶)

[2] البلاذری : فتوح البلدان، ص ۳ ؛ الطبری : تفسیر، ۱ : ۲۱ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاہم نماز جمعہ فقط مسجد نبوی ہی میں ادا کیا جاتا تھا اور یہ مساجد فقط نماز پنجگانہ کے لیے مخصوص تھیں۔

پھر اس میں بھی تبدیلی آئی اور مسلمانوں نے انفرادی طور پر مساجد کی تعمیر و تکمیل کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس ضمن میں قدیم ترین مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہے، جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک ذاتی مسجد بنائی ہوئی تھی، جو فقط ایک چبوترے پر مشتمل تھی[1]۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی ایک صحابی حضرت عتبان بن مالک نے، جو بقول ان کے موسم برسات میں اپنے قبیلے کی مسجد میں پہنچنے سے معذور رہتے تھے، اپنے گھر میں مسجد بنا لی، جس کا افتتاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2]۔ تاہم یہ مثالیں ابتدائی نوعیت کی ہیں اور ان سے بعد میں تعمیر کی جانے والی مساجد کے لیے ایک نمونہ تو فراہم ہوتا ہے۔ مگر مکمل تمثیل نہیں۔

غالباً پہلی صدی ہجری کے اواخر میں مخیر مسلمانوں نے نہایت وسعت اور فراخدلی کے ساتھ مساجد کی تعمیر و تکمیل میں ذاتی طور پر حصہ لینا اور پوری مسجد کے اخراجات کی کفالت کرنا شروع کیا، جس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہا۔ ولید بن عبد الملک اموی (۸۶ - ۹۶ھ) پہلا اموی حکمران ہے جس نے مساجد کی تعمیر و تکمیل میں نہایت[3] فراخدلی اور وسعت کے ساتھ حصہ لینا شروع کیا، اسکے عہد کی تعمیر کردہ مساجد۔ مثلاً جامع اموی دمشق، بیت المقدس، القدس اور مسجد نبوی (تعمیر نو و توسیع) اس کے ان جذبوں کی بخوبی عکاس ہیں۔ بعد میں امراء نے بھی اس میں دل کھول کر خرچ کرنا شروع کیا اور نہ صرف ذاتی آمدنی سے مساجد تعمیر کرائیں، بلکہ ان کے جملہ اخراجات کی بھی کفالت کی، مثال کے طور پر۔ جامع ابن طولون (مصر) پر بانی (ابن طولون) نے ایک لاکھ بیس ہزار دینار کی خطیر رقم صرف کی اور جامع مسجد المؤید پر ایک لاکھ دس ہزار روپے خرچ ہوئے[4]۔

---

[1] البخاری، کتاب الصلوٰۃ۔

[2] البخاری کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۶۔

[3] المقریزی: خطط، ۴: ۳۲، ۱۳۷، ۱۳۸۔

[4] ایضاً، ۴: ۸۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ابتدائی زمانے میں "مساجد" کے ساتھ جاگیریں اور جائیدادیں وقف کرنے کا کوئی رواج نہ تھا، جس کی وجہ اس زمانے میں مساجد پر معمولی اخراجات تھے، جن کو اہل مسجد بآسانی برداشت کر سکتے تھے، مگر جیسے جیسے مسجد کا ادارہ بڑھا اور اس کے دیگر لوازم، مثلاً امام ومؤذن کی تنخواہیں، معلم صبیان کا مشاہرہ اور دیگر اخراجات متوالیہ وغیرہ کا مسئلہ پیدا ہوا، تو مخیر مسلمانوں اور نیک دل حکمرانوں نے مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اس کے رواں اخراجات (RUNNING EXPENSES) کے لیے مستقل جاگیریں اور جائیدادیں وقف کرنا شروع کر دیں۔ بقول المقریزی اس کا رواج محمد ابو بکر المذرانی کے عہد (۳۰۰ھ) سے پہلے موجود نہ تھا۔ ابو بکر محمد بن علی المذرانی (م ۳۴۵ھ/ ۹۵۶ء) پہلا شخص ہے، جس نے بلاد مقدسہ اور بعض دیگر مقاصد کے لیے بطریق وصیت برکۃ الحبش اور سیوط وقف کیے[1] مگر المقریزی کا یہ بیان محل نظر ہے۔ اس لیے کہ خود المقریزی ہی نے جامع ابن طولون کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نیک دل حکمران نے مسجد کے لیے بے شمار مکانات مسجد اور دار الشفاء کے اخراجات کے لیے وقف کیے اور یہ مسجد ۲۶۳ سے لے کر ۲۶۵ھ تک کے عرصے میں مکمل ہوئی[2] اس طرح گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مساجد کے لیے اوقاف قائم کرنے کی ابتدا تیسری صدی کے آخری نصف حصے میں ہو چکی تھی اور مخیر حضرات نے زرعی اراضی سمیت مختلف غیر منقولہ اشیاء اس مقصد کے لیے وقف کرنا شروع کر دی تھیں، مگر فاطمیوں نے دفعۃً زرعی جائیدادوں کا وقف حکماً بند کر دیا۔ اور قاضی القضاۃ کو ایک دیوان الاحباس کے ساتھ اس علاقے کا نگران مقرر کر دیا مشہور فاطمی حکمران المعز (م ۳۶۵ھ) نے حکم جاری کر دیا کہ تمام اوقاف کی جائیدادیں اور اوقاف کی دستاویزات (شرائط) خزانۂ عامرہ (بیت المال) میں داخل کرا دیئے جائیں۔ ان اوقاف کے مداخل پندرہ لاکھ درہم سالانہ اجارے پر دے دیئے گئے۔ اس رقم میں سے موقوف علیہم کو وظائف دے کر باقی رقم بیت المال میں داخل

---

[1] المقریزی: خطط، ۲: ۲۱۷ - ۲۲۳ (مطبوعہ دار العرفان، لبنان)

[2] المقریزی: الخطط، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ۴: ۵۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دی جاتی تھی۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مساجد کے ان اوقاف کی قیمت (کرایہ) اتنی گر گئی۔ کہ اس سے بہت سی مساجد کی آمدن، ان کے ضروری اخراجات کی کفالت کے لیے کافی نہ ہوتی تھی۔ اسی لیے الحاکم (م ۴۱۱ھ) نے ۴۰۵/۱۰۱۴ء میں نہ صرف جامع مسجد حاکم کی تعمیر مکمل کی۔ بلکہ پہلے سے تعمیر شدہ مساجد، مثلاً جامع الازھر، دار العلوم جامع المقس اور جامع راشدہ وغیرہ کے لیے بھی بڑے بڑے اوقاف وقف کیے یہ اوقاف رہائشی مکانوں، دوکانوں، چکیوں، قیساریہ اور حوانیت پر مشتمل تھے[1]

اس سلسلے میں سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے نیک دل جانشینوں کا نام بھی خصوصی طور پر قابل ذکر ہے، مگر ان حضرات کی زیادہ تر توجہ "مدارس" کی جانب مبذول رہی۔

عہد ممالیک (۶۴۸ھ/۱۲۵۰ء تا ۹۲۳/۱۵۱۷ء) میں بھی مساجد کے لیے اوقاف قائم کرنے کا سلسلہ روز افزوں رہا۔ بعض مستشرقین، مثلاً Berhem[2] اور nobere[3] وغیرہ نے اس عہد کی دستاویزات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے، کہ اس دور میں اوقاف کے قیام دنیا کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

اس دور میں ان اوقاف کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا:

۱۔ دیوان الاحباس: یہ شعبہ دوار السلطان[4] کی نگرانی اور اہتمام میں تھا۔ اور ان کا انتظام ایک خاص ناظر کے سپرد ہوتا تھا؛ یہ اوقاف مملکت مصر کے بڑے بڑے صوبوں کی جائیدادوں پر مشتمل تھے اور ۷۴۰ھ/۱۳۳۹ء میں ان کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ تیس ہزار (۱۳۰۰۰۰) فدان پر مشتمل تھی اور یہ تمام رقم مسجدوں اور زاویوں کی مرمت اور زیبائش پر صرف ہوتی تھی۔

---

[1] المقریزی: الخطط مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ۴: ۵۰۔

[2] HEEFINING، ور اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بحوالہ T.A.I شمارہ ۲۴۷، ۲۵۲، ۵۲۸۔

[3] ایضاً، بحوالہ M.O، جلد ۱۲، ۱۹۱۸ء، ص ۱، ببعد، A J، سلسلہ ۹، ۲۶۴ تا ۲۶۷۔

[4] دوادار اصل میں دوات دار ہے جس سے مراد عہد ممالیک کا ایک اہم عہدیدار ہے۔ یہ عہدیدار چوکسی اصنل مملوک سلاطین کے عہد میں سات اہم ترین عہدے داروں میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۲۔ اوقاف حکمیہ : یہ اوقاف، جو فقط حرمین الشریفین اور دیگر قسم کے نیک کاموں کے لیے مختص تھے، مصر و قاہرہ کی شہری اراضی پر مشتمل تھے۔ یہ اوقاف براہ راست قاضی القضاۃ (چیف جج) کی نگرانی میں تھے اور ایک ناظر یا بعض اوقاف دو ناظر ان کے منتظم ہوتے تھے۔ شہر کے ہر حصّے کے لیے ایک علیحدہ دفتر ہوتا تھا۔ تاہم وقت گذرنے کے ساتھ اس شعبے میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ جن کی المقریزی نے بجا طور پر نشاندھی کی ہے بعد ازاں ملک الناصر فرج (۸۰۱ھ/ ۱۳۹۹ء تا ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء) کے زمانے سے اوقاف کی ان جائیدادوں کا نظام اور بگڑ گیا اور مختلف حیلے بہانوں سے ان اوقاف کو فروخت کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۳۔ اوقاف اہلیہ :

(خاندانوں کے نام پر اوقاف)، ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا ناظر ہوتا، یہ خانقاہوں مسجدوں، مدرسوں اور مزارات کے اوقاف تھے اور اس عنوان سے مصر و شام میں بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں۔ جن میں سے بعض فی الحقیقت سرکاری اراضی تھیں، جنہیں حاصل کر کے وقف کر دیا گیا تھا۔ امیر برقوق (۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء تا ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء) نے ان اراضی کو بحق سرکار ضبط کرنا چاہا، مگر فقہاء اور علماء کے زبردست احتجاج کی بنا پر اسے اپنی یہ تجویز واپس لینا پڑی، مگر بالآخر اس کے جانشینوں نے اسے ضبط کر ہی لیا لے

۴۔ مدارس :

مدرسے کا ادارہ شروع میں مسجد کے اندر قائم رہا اور اپنی اس حیثیت میں خوب پھلا پھولا، مگر بالآخر اس نے بہت جلد اپنی جداگانہ حیثیت قائم کر لی۔

عام طور پر دورِ اسلام میں مخصوص وضع قطع کے مدرسہ کا موجد مشہور سلجوقی وزیر نظام الملک (۴۰۹ھ/ ۱۰۱۸ء تا ۴۸۵ھ/ ۱۰۹۲ء) کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ علامہ شبلی مرحوم (مقالات شبلی) اور ڈاکٹر شبلی (تاریخ التعلیم) وغیرہ نے لکھا ہے۔ کہ نظام الملک

---

لے HEEFINING، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۲۳ : ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



طوسی سے قبل بھی مختلف مدارس اور مکاتب موجود تھے ۔

ابن العذاری نے لکھا ہے کہ مشہور اموی خلیفہ الحکم نے قرطبہ میں ۳۵۹ھ/ ۹۶۷ء میں ستائیس مدرسے قائم کیے ۔ تاکہ ان میں غریب اور یتیم بچے تعلیم حاصل کر سکیں تین جامع اموی قرطبہ کے قریب اور بقیہ شہر کے مختلف حصّوں میں تھے ۔ نو سال کے بعد اس نے معلمین کے لیے کچھ دوکانیں وقف کیں لے اسی سال یعنی ۳۵۹ھ میں فاطمی جرنیل جوھر الصقلی نے جامع ازھر کی تاسیس کی، جو شیعی علوم وفنون کا مرکز تھا مگر سلطان صلاح الدین الیوبی نے اسے اہل سنت والجماعت کے علوم کا مرکز بنا دیا[2] مشہور فاطمی حکمران الحاکم نے ۳۹۵ھ/ ۱۰۰۰ء میں مدرسہ دارالعلوم یا دارالحکمت قائم کیا تھا، جو سب پر فوقیت رکھتا تھا[3]۔ جس کے لیے اس نے باقاعدہ ایک عمارت قائم کی اور اسے ہر طرح سے آراستہ کیا ۔ اس کے ساتھ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی تھا، اس مدرسے کے قیام کا بڑا مقصد شیعی علوم کی ترویج واشاعت تھا ۔ اس کے مصارف کے لیے الحاکم نے فسطاط کے بہت سے مکانات وقف کیے[4]

چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مدارس کے لیے علیحدہ اور مخصوص عمارت بنانے کی ابتدا ہوئی، چنانچہ پہلا مدرسہ نیشاپور کے سامانی ناصر الدولہ ابوالحسن (م ۳۷۸ھ) نے امام ابوبکر محمد بن حسین بن فورک (م ۴۰۶ھ) کے لیے بنایا تھا[5] سلطان محمود غزنوی نے متھرا کی فتح سے واپس جا کر تقریباً ۔ ۴۱ھ میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، جس میں مختلف کتب خانوں سے بہت سی کتابیں نقل کرا کر جمع کیں اور اس کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات اور مواضع وقف کیے ۔ سلطان کے بھائی سبکتگین نے اپنی امارت کے زمانے میں

---

[1] البیان المغرب، باراوّل، ۲ : ۲۵۶، ۲۶۵ ۔

[2] المقریزی : الخطط، ۴ : ۴۹ تا ۹۶ (قاہرہ)

[3] المقریزی : الخطط، ۲، : ۳۳۴ ببعد ۔

[4] المقریزی : الخطط، ۲ : ۳۳۳ ۔ ۳۳۴ ۔

[5] السبکی : طبقات الشافعیہ، ۳ : ۵۲ ۔ قاہرہ ۱۳۲۴ھ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بھی ایک مدرسہ تعمیر کیا تھا ؛ چوتھا مدرسہ نیشاپور ابو اسحاق الاسفرائنی (م ۴۱۸ھ) کے لیے بنایا گیا تھا[۱]

مدارس کے قیام اور ان کے لیے اوقاف مخصوص کرنے میں مشہور سلجوقی وزیر اعظم نظام الملک طوسی کا نام سر فہرست ہے۔ اس نے ۴۵۷ھ۔ ۴۵۹ھ میں مدرسہ نظامیہ بغداد کو تعمیر کرایا اور اس کے علاوہ نیشاپور، ہرات، اصفہان اور موصل میں بڑے بڑے مدارس قائم کیے[۲] ابن جبیر نے ۵۷۸ھ / ۱۱۸۲ء میں بغداد کا سفر کیا تھا۔ اس کا بیان ہے، کہ اس وقت بغداد میں تیس مدرسے تھے اور ہر ایک مدرسہ بجائے خود ایک شہر معلوم ہوتا تھا[۳] مدرسہ نظامیہ کے بعد دوسرا بڑا مدرسہ ۶۲۵ھ / ۱۲۲۷ء میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے "مدرسہ مستنصریہ"، کے نام سے قائم کیا، مدرسہ کے طلبہ کو قیام کے لیے دار الاقامہ، اور خوراک، روغن اور کاغذ مدرسے سے ملتا تھا، سینکڑوں دیہات اور مواضع اس کے مصارف کے لیے وقف تھے۔

چھٹی صدی ہجری کے ایک نامور مسلم فرمانروا۔ سلطان ناصر الدین زنگی محمود (۵۶۹ھ۔ ۱۱۷۳ء) نے دمشق میں بہت بڑے دار الحدیث کے علاوہ متعدد مدارس قائم کیے۔ اسی طرح حلب میں بھی مدرسہ حلاوییین (۵۴۳ھ)، مدرسہ العصرونیہ (شافعی مسلک) (۵۴۵ھ) اور مدرسہ الحلاویہ کے نام سے عظیم مدارس قائم کیے اور ان کے مصارف کے لیے معقول جاگیریں وقف فرمائیں[۴]۔ اس کے بعد دوسرا بڑا نام سلطان صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء) کا ہے، جس نے قاہرہ، بیت المقدس اور دمشق وغیرہ میں بہت سے مدارس قائم اور ان کے لیے بے انتہا آمدنی والی جاگیریں وقف کیں[۵]

---

[۱] السبکی: طبقات الشافعیہ، ۳: ۱۳۷، ۲۵۱۔

[۲] عبد الرزاق کانپوری: نظام الملک، کانپور ۱۹۱۱ء۔ ص ۲۹۶۔

[۳] شبلی نعمانی: مقالات، اعظم گڑھ، ۱۹۳۶ء، ص ۶۴ بعد۔

[۴] ابن العدیم: زبدۃ الحلب فی تاریخ حلب، طبع سامی الدھان، دمشق، ۲: ۲۴۳ تا ۲۴۷۔

[۵] السیوطی: حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاہرہ، قاہرہ ۱۳۲۷ھ، ۲: ۱۴۱، ۱۴۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



عہد ممالیک (۶۴۸ھ/۱۲۵۰ء تا ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء) میں بھی بے شمار دینی مدارس قائم کیے گئے اور ان کے لیے جاگیریں وقف کی گئیں، اس ضمن میں سلطان ملک اشرف قایت بای، سلطان ابن الناصر محمد بن قلاون، الملک الظاہر بیبرس بندقداری (م ۶۷۶ھ)، امیر رکن الدین بیبرس، امیر کبیر سیف الدین اور ملک اشرف سیف الدین ابونصر الدقمان نے بھی بے شمار دینی مدارس اور خانقاہیں قائم کیں اور ان کے لیے جاگیریں وقف کیں[1]

مدارس قائم کرنے کا یہ ذوق عالمگیر تھا، اسی بنا پر اس دور کی تاریخ میں ہمیں ان جذبوں کی جھلک عالمی سطح پر نظر آتی ہے۔

## ۳ - رفاہی اوقاف:

ان مذہبی اور دینی اوقاف کے ساتھ ساتھ مسلم حکمرانوں اور امرائنے رفاہ عامہ کے لیے بھی بے شمار اوقاف وقف فرمائے، ان سب کی تفصیل دنیا تو ممکن نہیں۔ البتہ سرسری اشارہ کرنا کافی ہوگا:

### ا - ہسپتال (بیمارستان)

مسلمانوں نے ہر شہر میں ہسپتال اور شفاخانے قائم کیے تھے، اس ضمن میں قدیم ترین حوالہ ابن طولون کا ملتا ہے۔ جس نے ۲۵۹ھ میں ساٹھ ہزار دینار خرچ کر کے ایک عظیم ہسپتال قائم کیا تھا جہاں پر ہر طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا تھا۔ اطبا کی تنخواہوں کے علاوہ بیماریوں کی ادویات، خوراک اور لباس کی کفالت بھی بانی کی جانب سے کی جاتی تھی۔ ہسپتال میں دو حمام بھی بنائے تھے، ایک مردوں کے لیے اور دوسرا عورتوں کے لیے[2] اسی طرح ۳۴۶ھ میں کافور الاخشیدی نے "مارستان کافور" اور فتح بن خاقان نے "مارستان المعافر" کے ناموں سے ہسپتال بنائے تھے[3] جہاں مختلف بیماریوں کے علاج کیے جاتے تھے۔

---

[1] مقالات شبلی، ۳: ۶۲-۶۵۔

[2] المقریزی: خطط، ۳: ۳۲۰، مطبوعہ لبنان۔

[3] المقریزی، ۳: ۳۲۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مصر ہی میں سلطان المنصور قلاوون نے ۶۸۲ھ میں ست الملک کے ایک شاہی محل میں بہت بڑا ہسپتال قائم کیا اور اس کے لیے ایک لاکھ سالانہ درم کی آمدنی والی جاگیر وقف کی، اس ہسپتال کی خاص بات یہ تھی، کہ اس میں مریضوں کی خدمت کے لیے مردوں کے ساتھ خواتین بھی تعینات تھیں اور اس میں امراض اور اصناف کے مطابق شعبہ جات بنوائے، اس کی تفصیلات سے، جو المقریزی نے اپنی خطط کے چار صفحات میں رقم کی ہیں۔ پتہ چلتا ہے کہ یہ ہسپتال اپنے معیار اور سہولتوں کے اعتبار سے موجودہ ہسپتالوں کے مماثل تھا[۱]۔ اسی طرح المؤید شیخ نے بھی یہاں ۸۲۱ھ میں ایک ہسپتال بنایا تھا، جس کے مصارف "جامع مؤیدی" کے اوقاف سے پورے کیے جاتے تھے، مگر المؤید شیخ کی رحلت کے بعد اس ہسپتال کا نظام انتشار کا شکار ہو گیا[۲]۔

## ب۔ آب رسانی:

مختلف مسلم حکمرانوں نے دیگر امور کی طرح آب رسانی کے نظام پر بھی توجہ مبذول کی اور اس کے لیے بھی بے دریغ رقوم صرف کیں۔ مثال کے طور پر مصر میں سلطان محمد بن قلاؤن نے ۷۱۲ھ میں دریائے نیل سے چار چھوٹی نہریں کھدوائیں، جو قلعہ تک آتی تھیں، اسی طرح دیگر امراء اور اہل ثروت نے بھی ان رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جیسا کہ المقریزی نے اپنی خطط میں اس کی تفصیل بیان کی ہے[۳]۔

اسی طرح قبرستان، کنوئیں، حوض اور دیگر رفاہی و فلاح عامہ کے لیے ضروری اشیاء بنا کر وقف کرنے کا بھی معمول تھا[۴]۔

---

[۱] المقریزی، ۳: ۳۲۱ - ۳۲۴۔
[۲] ایضاً، ۳: ۳۲۴۔
[۳] المقریزی الخطط، ۳: ۱۶۲ تا ۱۷۲۔
[۴] ایضاً، ۳: ۳۴۶ تا ۳۵۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## ۴۔ خاندانی اوقاف :

خاندانی یا اہلی اوقاف کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے ۔ جتنی کہ مفادِ عامہ کے " اوقاف واحباس "، کی ہے ۔ اس کی قدیم ترین مثال غالباً وہ ہے ، جو امام بخاری نے اپنی جامع میں حضرت زبیر بن العوام کی جانب سے اپنی گھروں سے نکال دی جانے والی بیٹیوں پر "مکانات" وقف کرنے کی صورت میں بیان فرمائی ہے[۱]۔ تاہم یہ بات انہی تک محدود نہ تھی امام شافعیؒ نے ، جو خود بھی النسطاط میں اپنے مکان کو مع اس کے ساز و سامان کے اپنی آل اولاد پر وقف کر کے ۔ ایک مثال فراہم کر چکے ہیں[۲] متعدد ذاتی اسناد سے یہ ثابت کیا ہے کہ بہت سے صحابہ کرامؓ بشمول حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ نے بھی اپنی جائیدادیں اپنے اپنے خاندانوں کے لیے وقف فرمائی تھیں[۳]۔

مصر و شام میں ، جہاں متلون مزاج حکمرانوں اور سیاسی تبدیلیوں کے نتیجے میں ہمیشہ پکڑ دھکڑ اور دار و گیر کا خدشہ رہتا تھا ، بطور ایک فقہی حیلہ کے ، یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا ؛ مزید براں اس کے نتیجے میں غیر اہل وارثوں کو وراثت سے محروم اور اہل رشتہ داروں کو وراثت کا مستحق کیا جا سکتا تھا ، تاہم بعض اوقات اس کا غلط استعمال بھی ہوتا تھا ، مثال کے طور پر بعض اپنی جائیداد اپنے قرض خواہوں سے بچانے کے لیے اپنی آل اولاد پر اسے " وقف " کر جاتے تھے ، جسے ابوالسعود ( م ۹۲۸ھ / ۱۴۷۴ء ) نے ناجائز اور حرام قرار دیا تھا ۔

وقت گذرنے کے ساتھ اوقاف کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ۔ اور چونکہ "اراضی موقوفہ" ہر قسم کے محاصل سے محفوظ رہتی ہے ۔ اسی لیے اس سے نقصان کی حد تک سرکاری محاصل میں کمی واقع ہونے لگی ۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۹۲۸ھ ۔ ۹۲۹ھ میں فقط مصر میں ان اوقاف کی آمدنی باقی تمام اوقاف کی مجموعی آمدنی سے زیادہ تھی ، یعنی دس لاکھ پونڈ سے

---

[۱] البخاری ، ۲ : ۱۹۶ ۔

[۲] کتاب الام ، قاہرہ ، ۳ : ۲۸۱ ۔ ۱۸۳ ۔

[۳] ایضاً ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



زیادہ لیے

"خاندانی اوقاف" کے اس نظام میں اچھائیاں بھی تھیں اور بعض نقصانات بھی۔ اچھائیوں ہی کی بنا پر مولانا شبلی نعمانی نے برِ عظیم پاک و ہند میں ہندو ساہوکاروں سے زمینیں بچانے کے لیے "وقف علی الاولاد" کا قانون بنانا تجویز کیا تھا۔ مگر یہاں ایسا کوئی قانون نہ بن سکا۔[1]

### ۵۔ نظم ونسق:

عام طور پر ان اوقاف (بشمول مدارس ومساجد) کا نظم ونسق ایک متولی (منتظم) کے سپرد ہوتا تھا، اکثر اوقات بانی وقف خود ہی اس کا متولی اور منتظم بھی ہوتا تھا۔ یا وہ کسی دوسرے شخص کو اس عہدے پر تعینات کر دیتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد یا وقف نامے میں متعین کردہ شخص یا پھر قاضی اس کا منتظم ہوتا تھا۔

مملوک دور میں جو مساجد اور مدارس تعمیر ہوئے۔ ان کے اوقاف کے متعلق بالصراحت مذکور ہوتا تھا کہ ان کا نظم ونسق "بانی وقف" کی اولاد ہی میں رہے گا۔[2] مثال کے طور پر سلطان بیبرس کی تعمیر کردہ مسجد، جامع مقس (تعمیر کردہ وزیر اعظم المقسی)، صاحبیہ، قراسنقریہ اور القدس میں مسجد بدریہ وغیرہ۔[3] بعض اوقات کوئی امیر یا اہم عہدے دار اس کا منتظم ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جامع مؤید، طیبرسیہ، جامع ازہر اور مسجد ابن طولون اور بعض اوقات کوئی قاضی بھی وقف کا متولی ہوتا تھا، مثلاً مسجد بیبرس، جس کے وقف نامے میں اولاد کے بعد حنفی قاضی کا متولی ہونا مشروط تھا۔[4]

ناظر اوقاف، جو اوقاف کی نگرانی کرتا تھا، بعض اوقات ایک معین مشاہرے پر

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۲۳ : ۱۱۔

[2] المقریزی، قاہرہ، ۴ : ۸۹۔

[3] ایضاً، بمواضع عدیدہ۔

[4] ایضاً، ۴ : ۸۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ملازم رکھا جاتا تھا ناظر اوقاف " وقف شدہ شیٔ "، کی نگرانی اور اس کے عملے کی تعیناتی اور ان کے مشاھروں کی تعیین کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی ۔ جامع ازھر میں نواح ۱۱۰۰ھ کے بعد کوئی ناظر مقرر نہیں ہوا، لیکن کسی ایک عالم فاضل شخص کو شیخ الازھر یعنی رئیس الاساتذہ اور ناظم مسجد مقرر کر دیا جاتا ہے[1] یہی صورت حال مکہ مکرمہ میں بھی تھی ۔

## د ۔ اوقاف اسلامی ترکی :

اسلام کی تاریخ میں سلاطین عثمانیہ کا چھ سو سالہ دور ہر اعتبار سے ایک مثالی اور روشن دور تھا، اس دور میں بے شمار مساجد اور مدارس تعمیر ہوئے اور ان کے لیے " اوقاف " وقف کیے گئے ، یوں تو سلاطین عثمانیہ میں سے کوئی سلطان بھی ایسا نہیں گذرا ، جس نے مساجد اور مدارس بنانے اور ان کے لیے اوقاف قائم کرنے میں دلچسپی نہ لی ، مگر خصوصی طور پر چند ایک حکمرانوں کا نام اس سلسلے میں زیادہ زندۂ وجاوید حیثیت رکھتا ہے ۔

ایسے فیاض حکمرانوں میں سلطان محمد فاتح (۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء) کا نام سرفہرست ہے۔ اس نیک دل حکمران نے ۸۶۵ھ / ۱۴۶۰ء میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا ، جس کے تحت آٹھ مدارس تھے اور ہر ایک کے طلبہ کی ضروریات کے کفالت کے لیے معقول آمدنی کا بندوبست کیا[2] اسی طرح سلطان بایزید خان ، سلطان سلیمان وغیرہ نے اپنی پوری قلمرو۔ شلاً مکہ معظمہ (چار بڑے مدرسے) اور قسطنطنیہ ۔ وغیرہ میں مدارس بنائے اور ترکیہ کے بہت سے مقامات پر مساجد تعمیر کرائیں اور ان کے لیے اوقاف مخصوص کیے ۔ اسی طرح سلطان سلیم نے ۔ جو خادم الحرمین الشریفین کا اعزاز حاصل کرنے والا پہلا عثمانی سلطان تھا۔ بہت سے مقامات پر مساجد بنائیں اور مدرسہ تعمیر کرائے ۔ سلاطین کے علاوہ امراء، وزراء، امیر زادے اور امیر زادیاں اس کار خیر میں پوری طرح شریک رہا کرتی تھیں ؛ یہ لوگ اور مساجد و مدارس کی تعمیر کے علاوہ ان کے لیے اوقاف کی فراہمی میں سلاطین کے نقش قدم

---

[1] سلیمان رصد الزیاتی : کنز الجوھر فی تاریخ الازھر ، ص ۱۲۳ ۔

[2] شبلی نعمانی : مقالات شبلی ، ۳ : ۶۸ ، مطبوعہ اعظم گڑھ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر چلتے تھے ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ایک اندازے کے مطابق سابق ترکی سلطنت میں وقف شدہ اراضی ۔ تمام قابل کاشت اراضی کا تین چوتھائی تھی اور جدید ترکی میں ۱۹۲۵ء کے قریب ان کی مجموعی قیمت کا تخمینہ چھ کروڑ ترکی پونڈ لگایا گیا تھا[1] اس سے پتہ چل سکتا ہے ۔ کہ ترکی میں کس قدر وسیع پیمانے پر "اوقاف" کا نظام قائم تھا ۔

## ۵ ۔ اوقاف پاک وہند :

ہندوستان بھی اوقاف کے قیام میں دوسرے اسلامی ممالک سے کسی طرح پیچھے نہیں ۔ اوپر گزر چکا ہے ۔ کہ فاتحِ سومنات سلطان محمود غزنوی نے متھرا کی فتح کے بعد ۱۸ھ میں واپس غزنی جا کر، ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، سلطان محمود چونکہ افغانستان کے بعض علاقوں سمیت ہندوستان کا فرمانروا تھا ۔ اسی لیے اس کے اس واقعے کو یہاں کے مدارس و مساجد کے مستقبل کے لیے ایک سنگِ میل سمجھنا چاہیے ! سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں نے بھی مساجد اور مدارس کے قیام میں خصوصی دلچسپی لی[2] اسی طرح ان کے جانشینوں یعنی غوری خاندان (۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ تا ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء) نے بھی اس سلسلے کو جاری و ساری رکھا ۔ چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری کے متعلق بیان کیا جاتا ہے ۔ کہ اس نے ۵۸۷ھ / میں اجمیر فتح کیا اور وہاں مساجد اور مدارس تعمیر کرائے[3]

سلاطین دہلی میں سے سلطان بختیار خلجی نے جب رنگ پور کا شہر آباد کیا، تو وہاں بے شمار مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائیں[4] اور ان کے لیے اوقاف مخصوص کیے ۔ اسی طرح شمس الدین التمش نے بدایوں اور دہلی میں "معزیہ" کے نام سے مدرسے قائم کیے، اس عہد میں دہلی، ملتان اور جالندھر میں بعض مدارس کا ذکر ملتا ہے ۔

---

[1] HEEFINING، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۲۳ : ۱۲

[2] خلیق احمد نظامی : حیات شیخ عبدالحق دہلوی، دہلی ۱۹۵۳ء ص ۱۱ ۔

[3] DOWSON : THE HISTORY OF INDIA AS TOLD BY ITS OWN HISTORIENS 2 : 215 KALKATTA

[4] منہاج سراج : طبقات ناصری مطبوعۂ کلکتہ ترجمہ Reverty، ص ۵۵۹ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خلجی خاندان (۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء تا ۷۲۰ھ / ۱۳۲۱ء) میں سے سلطان علاؤ الدین خلجی خصوصی طور پر علم پروری کا نشان تھا۔ اس نے بہت سی مساجد، مدارس، خانقاہیں، حمام اور مقبرے تعمیر کرائے[1] اور ان کے ضروری مصارف کا بندوبست کیا۔ خاندان تغلق (۷۲۰ھ / ۱۳۲۱ء تا ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء) بھی مساجد و مدارس کی تعمیر میں خلجی خاندان سے پیچھے نہ تھا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے، کہ فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء تا ۷۹۰ھ / ۱۳۸۸ء) نے ۷۵۳ھ میں دہلی میں مدرسہ فیروز آباد تعمیر کیا، ضیاء برنی اس مدرسے کی بہت تعریف کرتا ہے، اس نیک دل حکمران نے اور بھی رفاہِ عامہ کے بے شمار کام انجام دیے[2]۔

بہمنی سلطنت (۷۴۸ء تا ۱۵۲۶ء) کے حکمرانوں میں سے سلطان محمود شاہ بہمنی علم اور علماء کا خصوصی طور پر قدردان تھا۔ چنانچہ اس نے گلبرگہ، بیدر، قندھار (حیدر آباد دکن) دولت آباد اور ریلچ پور میں بہت سے مدارس اور یتیم خانے قائم کیے۔ سلطان محمود شاہ بہمنی دوم کے نامور وزیر اعظم محمود گاواں نے "بیدر" میں ایک بہت عظیم الشان دینی دار العلوم قائم کیا جو ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا اور جس کے طلبہ کی ضروریات کے لیے، اس نے بہت بڑی جاگیر بھی وقف کی تھی۔ سلطان اورنگ زیب کے زمانے میں۔ ایک حادثے (بارود میں آگ لگ جانے کے باعث) یہ مدرسہ شہید ہو گیا۔ تاہم اس کے بعض حصے آج بھی قائم ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس عادل شاہیوں نے بیجاپور، قطب شاہیوں نے گولکنڈے، محمود خلجی نے مالوے اور نظام شاہیوں نے مالوے میں بے شمار مساجد بنائیں اور مدارس تعمیر کرائے اور ان کے لیے مستقل اوقاف قائم کیے۔

جونپور میں جسے کسی زمانے میں ہندوستان کا شیراز کہا جاتا تھا، بے شمار مساجد اور دار العلوم قائم تھے، ابراہیم شرقی کے زمانے میں مسجد اٹالہ کا مدرسہ بہت معروف تھا جس کی مسند صدارت شیخ شہاب الدین دولت آبادی کے لیے مخصوص تھی، ۸۶۱ھ / ۱۴۵۶ء

---

[1] محمد ابراہیم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، ۱: ۳۷۶۔

[2] ELLIOL ENDID ۳، : ۳۸۲ تا ۳۸۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں بی بی راجے بیگم نے یہاں ایک مدرسہ "مدرسۂ بی بی راجے بیگم" قائم کیا، جس کے ساتھ اوقاف بھی تھے۔ یہ سلسلہ بارھویں صدی ہجری / اٹھارھویں صدی عیسوی تک قائم رہا۔ ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۵ء میں نواب سعادت خان نیشا پوری صوبیدار اودھ و بنارس نے کسی بات پر برافروختہ ہوکر ان مدارس کے اوقاف پر حکمانہ قبضہ کرلیا، جس سے ان مدارس کی رونقیں اجڑ گئیں اور جونپور ویران ہوگیا۔ اب بھی اس کی مسجدیں عظمت رفتہ کی یاد دلاتی ہیں۔

گجرات میں بھی مختلف مقامات پر مساجد اور مدارس قائم تھے، مثال کے طور پر محمود شاہ اوّل نے حیدر آباد میں بے شمار مساجد، سرائیں اور مدارس تعمیر کیے؛ احمد آباد میں مولانا وجیہہ الدین کا مدرسہ، جس میں طلبہ کو وظائف بھی ملتے تھے۔ بہت معروف تھا۔[1]

ہندوستان میں دورِ حاضر میں موجود مسلم اوقاف کا بیشتر سہرا "مغلیہ حکومت" کے سر ہے، مغلیہ دورِ حکومت میں علم اور علما کی جو خصوصی سرپرستی کی گئی، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے، کہ حکمرانوں نے ہندوستان کے اکثر مرکزی مقامات پر نئی اور عظیم الشان مساجد تعمیر کرائیں اور مدارس قائم کیے اور ان میں تعلیم و تعلم کا فریضہ انجام دینے والوں کے خزانۂ شاہی سے وظائف مقرر کیے۔ ان وظائف کو اس دور میں "مدد معاش" کا نام دیا جاتا ہے۔ سلاطین کی اس فیاضی اور دریا دلی سے نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو فضلا بھی مستفید ہوتے تھے؛ بعض مقامات پر مدد معاش کے لیے گاؤں کے گاؤں وقف کر دیئے جاتے تھے[2] سلاطین کے علاوہ امرا، وزرا اور اہل ثروت بھی ان امور خیر میں ان کے ساتھ برابر کے شریک تھے اور مدارس کے قیام کے ساتھ ساتھ ان کے لیے اوقاف وقف کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، سلطان اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء تا ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) کے زمانے میں لکھنؤ، اودھ، دیوا۔ جائس، سہالی۔ گوپامئو اور بلگرام میں بہت بڑے بڑے

---

[1] مولانا عبدالحی: یاد ایام؛ نیز تاریخ گجرات۔

[2] مولانا سید سلیمان ندوی: ہندوستان میں علم حدیث، در معارف اعظم گڑھ، ۲۲/(۱۹۲۸ء) ص، ۳۵۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مدارس قائم تھے، جن میں طلبہ کی ضروریات کی کفالت کے لیے مختلف جاگیریں وقف تھیں۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد جو طوائف الملوکی پھیلی۔ کچھ اس نے اور باقی کے اوقاف انگریزوں نے ضبط کر لیے۔ یوں قدیم مدارس کی رونقیں اجڑ گئیں تاہم ان مشکلات سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو نئے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کیا اور آئندہ صدیوں میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی لڑی۔

## و۔ غیر مسلموں کے اوقاف ریاست اسلامی میں :

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی اوقاف وقف کر سکتے تھے۔ ان کے لیے بھی وقف قائم کرنے کی وہی شرائط ہیں، جو مسلمانوں کی ہیں، مثال کے طور پر ان کے لیے بھی یہ بات لازمی ہے، کہ وہ کسی جائز اور نیک کام کے لیے وقف قائم کریں۔

اس پس منظر میں مصر و شام میں مسلم اوقاف کے ساتھ ساتھ بے شمار غیر مسلم اوقاف بھی قائم تھے۔ جن کی آمدن مخصوص شرائط کے تحت، رفاہی۔ یا فلاحی کاموں کے لیے صرف ہوتی تھی۔

غیر مسلموں کے قائم کردہ رفاہی یا اہلی اوقاف کے وقوع میں تو کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ ان کے مذہبی اوقاف کا مسئلہ بحث طلب ہے؛ عام طور پر کتب فقہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص مسلم یا غیر مسلم گرجا گھر، یا معبد کے لیے وقف قائم نہیں کر سکتا[1]، جبکہ تاریخی صورت حال اس کے برعکس ہے، مثال کے طور پر مصر و شام اور ترکیہ میں غیر مسلموں کے معابد کے لیے بھی اوقاف مخصوص تھے، کیونکہ اسلام غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے احترام کا حکم دیتا ہے۔

المقریزی نے خطط میں یہودیوں اور عیسائیوں کے معابد کی ایک طویل فہرست

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دی ہے، مثال کے طور پر بقول المقریزی۔ مصر میں کنیسہ دموہ[1]، کنیسہ جرجر[2]، کنیسہ الصاصہ[3]، کنیسہ الشاہین[4]، کنیسۃ العراقیین[5]، کنیسہ بالجودریہ[6]، کنیسۃ القرائین[7]، کنیسۃ دار الحدرہ، کنیسہ الربانیین۔ کنیسہ ابن شمیخ اور کنیسہ السمرہ[8]، وغیرہ یہودیوں کے معابد تھے۔

جبکہ عیسائی گرجا گھروں میں القلایہ، دیر طرا، دیر شعران، دیر الرسل، دیر الجمیزہ، دیر العزبہ، دیر انبا بولا، دیر القصیر، دیر مرحنا، دیر ابی النعناغ۔ دیر مغارۃ شقلقیل، دیر بقطر، دیر بقطر شتی، دیر بوجرج، دیر حماس، دیر ابی ہرمینہ، دیر السبعہ جبال، دیر صبرہ، دیر ابی بشادۃ الاسقف، دیر بوہور الراہب[9] ... وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے جو مصر میں قائم تھے اور ان میں سے بعض کے لیے باقاعدہ اوقاف مخصوص تھے۔

فی الوقت پاکستان سمیت متعدد اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے اوقاف موجود ہیں اور ان کے ان اوقاف کو انہیں کی شرائط کے تحت، انہی کے متعین کردہ مقاصد کے لیے صرف کیا جاتا ہے۔ اور ان کا نظم و نسق ایک طے شدہ دستور کے مطابق انجام دیا جاتا ہے۔

---

۱ المقریزی، ۳: ۳۵۴۔
۲ ایضاً، ۳: ۳۶۲۔
۳ ایضاً، ص ۳۶۴۔
۴ ایضاً، ص ۳۶۴۔
۵ ایضاً، ص ۳۶۴۔
۶ ایضاً، ص ۳۶۴۔
۷ ایضاً، ص ۳۶۴۔
۸ ایضاً، ص ۳۶۴۔
۹ ایضاً، ص ۴۰۹-۴۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## جدید صورت حال :

سابق ترکی سلطنت میں "وقف شدہ" اراضی کی تشخیص تمام قابل کاشت آمدنی کی تین چوتھائی سے کی گئی تھی۔ جبکہ جدید ترکی میں ۱۹۲۵ء کے قریب ان کی مجموعی قیمت چھ کروڑ ترکی پونڈ کے قریب تھی۔

الجزائر میں، انیسویں صدی کے وسط میں "اوقاف" کی اراضی، قابل کاشت اراضی کے نصف کے قریب تھی۔ جبکہ مملکت مصر میں ۱۹۲۸ء میں ۱/۸ واں حصّہ، اور تیونس میں ۱۸۸۳ء میں ایک ثلث کے برابر تھی۔

اس قدر وسعت کے ساتھ اراضی کا "وقف ہو جانا یقیناً حکومت کے لیے "آمدنی" میں کمی کا باعث تھا، مگر "اسلامی حکومتیں" ان کے نظم ونسق یا ان کی حیثیت میں تبدیلی کی متحمل نہ ہوسکتی تھیں، کیونکہ اسلامی قانون میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، لیکن جب اسلامی ممالک پر یورپین ممالک کا تسلط قائم ہوا، تو رفتہ رفتہ قانون شریعت کا یہ احترام بھی باقی نہ رہا اور کھلم کھلا احکام شرع میں مداخلت کی جانے لگی، جس سے اسلامی اوقاف کا شعبہ خاص طور پر بہت متاثر ہوا، تفصیل حسب ذیل ہے،

### ۱۔ الجزائر :

"فرانس" سب سے پہلا یورپین ملک ہے، جس نے الجزائر میں اس مسئلے پر اپنا ذاتی اثر و نفوذ استعمال کیا فرانس نے الجزائر پر ۱۸۳۰ء سے قبضے کا آغاز کیا اور رفتہ رفتہ پورے علاقے پر تسلط جما لیا۔ اور اسی سال (۱۸۳۰ء میں) ایک حکم کے ذریعے حکومت فرانس نے الجزائر میں واقع تمام "اوقاف" کو اپنی تحویل میں لے کر ان کا نظم ونسق، متعلقہ افراد کے بجائے، حکومت کے اہلکاروں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ حکومت فرانس کے اس اقدام پر مسلمان سخت مشتعل ہوئے، مگر انھیں جبراً چپ کرا دیا گیا۔

اسلامی شریعت کے مطابق "اوقاف کی ملکیت ناقابل انتقال ہوتی ہے، مگر حکومت فرانس نے اس حکم میں بھی تبدیلی کر دی اور بالواسطہ طریقے سے اسے قابلِ انتقال بنا دیا، ۱۸۴۴ء کے ایک حکم کے ذریعے مستقل لگان کو نک (تکنیخ) قرار دیا گیا۔ بعد ازاں ۱۸۵۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں عنا ( Ana ) معاہدہ معنی بیع و شراء کا معاملہ قرار پایا، جس کی رُو سے متعلقہ شئ کا کرایہ، قیمت خرید پر منافع سمجھا گیا۔ مزید براں یہ قانون وضع کر دیا گیا، کہ متعلقہ شئ کے "عدم انتقال" کی دلیل فرانسیسیوں یا ملکیوں پر، مواجبات کی بنا کے طور پر استعمال نہ کی جائے گی۔ اس طرح حُبس (اوقاف) کی فروخت رُوک دی گئی۔ بالآخر ۲۶ جولائی ۱۸۷۳ء کے قانون کی رُو سے "نظام اراضی" کو مکمل طور پر فرانسیسی قانون کے ماتحت کر دیا گیا اور جتنی شرائط بھی اس کے خلاف یا اس سے متصادم تھیں، تمام کی تمام منسوخ قرار پائیں۔ اس طرح گویا عملاً اور اوقاف کی فروخت کو جائز تسلیم کر لیا گیا، مگر اس کے ساتھ، اسلام کے قانون وراثت کو غیر مؤثر بنانے کے لیے، "وقف" کی قانونی حیثیت برقرار رکھی گئی۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء سے فرانسیسی عدالتوں نے اسی طریقہ کار کو اپنا لیا، جو یقیناً اسلام کے قانونِ وقف کی کھلم کھلی خلاف ورزی کے مترادف تھا۔ بیسویں صدی میں الجزائر میں جو فرانسیسی استعمار کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکی، جس نے صدیوں سے قائم فرانسیسی انتداب کو یہاں سے بوریا بستر باندھ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا، تو اس کے پس منظر میں یقیناً فرانسیسیوں کے مذکورہ قسم کے اقدامات کو بھی دخل تھا۔[1]

## ۲۔ تیونس :

تیونس پر فرانس نے ۱۸۸۱ء میں قبضہ کیا۔ تاہم فرانسیسی تیونس میں نسبتہً محتاط رہے؛ خیرالدین نے تونس میں ۱۸۷۴ء میں اوقاف کے نظم و نسق کے لیے ایک مرکزی دفتر (جمعیتہ) قائم کر دیا تھا؛ بعد ازاں ۱۸۸۵ء میں انزل معاہدے کو اس رواج کے مطابق جو پہلے سے چلا آتا تھا، اسے قانونی حیثیت دے دی گئی۔ ۱۸۹۸ء میں پھر حکم جاری کیا گیا، کہ اوقاف کا تبادلہ جنس یا زرِ نقد سے ہو سکتا ہے (شریعت کی رُو سے، مؤخر الذکر صورت میں، اس کے بدلے میں متبادل جائیداد خرید کرنا ضروری تھا)۔ نیز اسے کچھ سالوں (مثلاً دس سال) تک سالانہ پٹے پر دینا بھی جائز قرار دے دیا گیا، بعد ازاں ۲۲ جنوری ۱۹۰۵ء کے قانون کے مطابق

---

[1] HEFFENING : مقالہ وقف، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۲۳ : ۱۲ تا ۱۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انزل ( Enzel ) کرایہ ۲۰ سالانہ قسطوں میں قابل وصولی قرار دیا گیا۔ پھر حکومت فرانس نے ایک اور حکم ۱۲ اپریل ۱۹۱۳ء کو جاری کیا، جس کی رُو سے ملکی لوگوں کو انزل کے طور پر عام مقابلے کے بغیر اپنی زمینیں لینے کا حق مل گیا، بشرطیکہ وہ کافی عرصے تک باپ سے بیٹے کی جانب منتقل ہوتی چلی آرہی ہوں۔

حکومت فرانس کے یہ سب اقدامات وقف کی شرعی حیثیت کے خلاف تھے، اور ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ "موقوفہ اراضی" کو "قابل انتقال" قرار دے دیا جائے؛ چنانچہ بالآخر ۱۷ جولائی ۱۹۲۷ء کے قانون کی رُو سے یہ حکم جاری کر دیا گیا، کہ جو شخص یا اس کے آباؤ اجداد گذشتہ ۳۳ سالوں سے، کسی زمین کو کاشت کرتے چلے آتے ہوں، انھیں سالانہ کرایہ ادا کرنے کی شرط پر، اس زمین پر مستقل طور پر قابض رہنے کا حق حاصل ہوگا؛ اس طرح فرانس نے ۱۸۷۴ء سے جو پروگرام شروع کیا تھا، اسے ۱۹۲۶ء میں اختتام پر پر پہنچا دیا۔ حکومتِ فرانس کے اس اقدام کے خلاف مسلمان سخت مشتعل ہوئے[1]

جہاں تک ان کے انتظام و انصرام کا تعلق ہے، تو ۱۹۰۸ء سے "جمعیۃ" کے ساتھ "مجلس اعلیٰ حبس" ( Conseil Superieur des Habous ) کو بھی شریک کر لیا گیا، خانقاہوں اور زاویوں کا انتظام بھی، جو عموماً ناظموں کے سپرد تھا، حکومت ہی کی نگرانی میں ہوتا تھا:

### ۳۔ مراکش:

فرانس نے مراکش (مراکو) پر بھی بالکل اسی طرح قبضہ جمایا جس طرح اس نے الجزائر پر ۱۸۳۰ء میں اور تیونس پر ۱۸۸۱ء میں قبضہ کیا تھا، یہاں اس کی افواج ۱۹۱۱ء میں سلطان مراکش کی امداد کے لیے وارد ہوئی تھیں۔ مگر انھیں اپنا رویّہ بدلنے میں دیر نہ لگی اور ۳۰ مارچ ۱۹۱۲ء کے معاہدے کی رُو سے یہاں انہوں نے مکمل طور پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

یہاں بھی انہوں نے قدم رکھتے ہی اصلاحات کا آغاز کر دیا اور اسی سال (۱۹۱۲ء)

---

[1] ایضاً، بمحل مذکور، بحوالۂ M.O ، (۱۹۲۸ء) : ۳۲۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک محکمہ حبس ( DIRECTION DES HABOUS ) قائم کر دیا، جو "خاندانی اوقاف" کا نگران محکمہ تھا۔

اس سے اگلے سال نسبتاً دوررس اقدامات کئے گئے، اور ۱۹۱۳ء میں حسب ذیل قوانین وضع کئے گئے: (۱) غیر مزارعہ زمین کو پٹے پر دینے کی مدت کو دس سال تک محدود کر دیا گیا اور روپے کے ساتھ اس کا تبادلہ ممکن بنا دیا گیا، باین شرط کہ اس کی قیمت سے، دوسری متبادل زمین خریدی جائے گی۔ ۲۷ فروری ۱۹۱۴ء کے ایک قانون کی رُو سے، اراضی کے کرایوں کو جائیدادوں کے مطابق بڑھانے کا حکم دے دیا گیا۔ جبکہ ۸ جولائی ۱۹۱۶ء کے قانون کے ذریعے، اراضی اور جائیدادوں کے حقوق منفعت (گزا، گوئلزہ) کے انفکاک کی اجازت دے دی گئی، اس حکم کا مقصد یہ تھا، کہ "موقوفہ" اراضی قابض کی ملکیت قرار پا جائے، تاہم اس صورت میں حاصل ہونے والی رقم سے متبادل اراضی خریدنا بہرحال لازم رہا۔ یوں حکومت فرانس نے نہایت چالاکی سے "وقف" کا توڑ بھی مہیا کر دیا اور شرع اسلامی سے تصادم کی پالیسی بھی اختیار نہ کی۔ مگر فی الحقیقت یہ تمام اقدامات صریحاً قوانین شرع کے منافی ہیں، اسی لیے مسلمانوں نے حکومت فرانس کے ان اقدامات پر کھلم کھلا تنقید کی[1]

## ۴۔ شام:

شام میں فرانسیسی حکومت نے انگریز حلیفوں کی حمایت کے لیے کاروائی شروع کی، جس کے نتیجے میں شام پر اگست ۱۹۲۰ء میں ان کا اقتدار تسلیم کر لیا گیا، ان کا یہ اقتدار ۱۷ اپریل ۱۹۴۶ء تک برقرار رہا۔ اس اثنا میں اہل شام پر بے پناہ مظالم ڈھائے گئے، دو مرتبہ دمشق پر توپوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے بمباری کی گئی۔

فرانس نے شام کا اقتدار سنبھالتے ہی، ہر شعبے میں اپنے قوانین کا نفاذ شروع کر دیا۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۱ء کے ایک حکم نامے کی رُو سے، شام کے تمام زیر اقتدار مسلم علاقے میں

---

[1] ایضاً بمحل مذکور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اوقاف کی نگرانی اور نظم و نسق کے لیے تین ادارے (بورڈ) قائم کر دیئے گئے:

۱۔ مجلس اعلیٰ اوقاف، (COUNCIL SUPERIEUR DES WAQFS

۲۔ ہیئت عمومی برائے اوقاف مسلمانان A COMMISSION GENERAL DES WAQFS MUSALMANS

۳۔ نگران عمومی اوقافِ مسلمانان A CONTROLOUR GENERAL DES WAQFS MUSALMANS یہ آخری ادارہ ایک ایسے عہدے دار کی ماتحتی میں تھا، جو بیک وقت دوسرے دونوں اداروں کی نگرانی بھی کرتا تھا۔ اس عہدے دار کو کمشنر نامزد کرتا تھا اور وہ اسی کے سامنے جوابدہ تھا۔

۱۹۲۶ء میں ہائی کمشنر نے مقاطعہ اور حکر[1] کی طرح کے تمام معاہدات کو ممنوع قرار دے دیا، اور اس کی جگہ مبادلہ کا قانون جاری کر دیا گیا[2]۔

## ۵۔ فلسطین:

ارض قدس اور وادی اردن (فلسطین) انیسویں صدی عیسوی ہی سے انگریزوں اور یہودیوں کی نظر میں تھا، اور انہوں نے اسی وقت سے علاقے کی ہئیت میں مرکزی قسم کی تبدیلی کے اقدامات شروع کر دیئے تھے، لیکن چونکہ یہاں ترکوں کی مضبوط حکومت قائم تھی، اس لیے انہیں کسی بڑے اقدام کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر پہلی جنگ عظیم میں ترکی کے جرمنی کے

---

[1] حکر مصر و شام میں مروج معاہدے کی ایک خاص قسم تھی، جو تیونس میں رائج کردار سے ملتی جلتی تھی۔ اس کے ذریعے جو لگان طے ہوتا تھا، اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہوتی تھی۔ تاہم لگان دار اس کو ہبہ کر سکتا تھا۔

[2] دیکھئے HEEFENING، مقالہ وقف، بعمل مذکور بحوالہ ۴، ۵۰، ۱، (۱۹۲۱) ۵۹۴ تا ۵۹۶: ۳۱۱ - ۳۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ اتحادو نے ان کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ انگریزوں نے یہاں ایک وسیع سازش کے ذریعے عربوں کو ترکوں سے باہم لڑا دیا اور پھر ۱۹۱۸ء میں ہندوستانی فوج کے ذریعے اس پر باقاعدہ حملہ کر کے اسے بآسانی فتح کر لیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کے ایک حکم نامے کے ذریعے انگلستان ارضِ فلسطین پر محض نظری حیثیت سے اقتدار قائم رکھنے پر آمادہ ہو گیا اور اس نے زیادہ تر اقدامات کے لیے خود مسلمانوں سے کام لیا۔ ۱۹۴۸ء تک یہاں برطانوی استعمار برابر اسرائیل کے قیام کیلیے کوشاں رہا اور جب حالات سازگار ہو گئے، تو ۱۹۴۸ء میں اس علاقے سے اپنا اقتدار اٹھا لیا۔

یہاں انگریزوں نے ایک سپریم مسلم شریعت (مجلس عالیہ شرعیہ) قائم کی، جس کے طریقِ کار انتخاب اور دوسرے بہت سے امور میں ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۹ء میں تبدیلی کر دی گئی یہ مجلس پانچ ارکان پر مشتمل تھی، جو بالواسطہ انتخاب سے چنے جاتے۔ یہ مجلس دوسرے معاملات کے ساتھ ساتھ اوقاف کے معاملات کا بھی انتظام کرتی تھی[1]

## ۶۔ عراق:

ارض فلسطین اور مملکت شام کے ساتھ "مملکت عراق" کی قسمت کا فیصلہ بھی، پہلی جنگ عظیم کے بعد، انگلستان کے حق میں ہو گیا۔ یہاں بھی انگریز سامراج نے اہل عرب کی امداد کے بہانے قدم جمائے اور دوسری جنگ عظیم کے اختتام تک برابر اس پر اپنا قبضہ جمائے رکھا۔

گو فلسطین، شام اور عراق میں ۱۹۲۱ء کے انتدابی منشور میں یہ صراحت کر دی گئی تھی۔ کہ انتدابی حکومت اوقاف کا انتظام شریعت اور واقف کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق انجام دے گی، مگر ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء کے جاری کردہ آئین کے مطابق اوقاف کو وزارت اوقاف کے ماتحت کر دیا گیا اور ان کی امتیازی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے رفتہ رفتہ اقدامات شروع کر دیے گئے؛ قانونی قسم کے تنازعات کا فیصلہ شرعی عدالت واقف کے مذہب

---

[1] ایضاً، بمحل مذکور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی رُو سے کرنے لگی [1]

۷۔ طرابلس وسائرنیکا (CYRENAICA)

طرابلس پر ۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے حملہ کر کے، قبضہ کر لیا، بعدازں ۱۹۱۲ء میں ترکوں نے بھی ان کے اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ اس وقت سے لے کر ۱۹۴۲ - ۱۹۴۳ء تک یہاں ان کا قبضہ رہا۔ ۱۹۴۲ - ۱۹۴۳ء میں جرمنوں کے اخراج کے بعد یہاں انگریزوں نے اور فزان پر فرانسیسیوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ تاہم بعد میں ۱۹۵۱ء میں مملکت لیبیا وجود میں آگئی اور طرابلس اس کا صدر مقام بن گیا۔

یہاں اقتدار قائم ہوتے ہی حکومتِ اٹلی نے اوقاف کے مرکزی دفتر منتظمہ کو، جو ترکی عہد حکومت میں قائم تھا، اپنی تحویل میں لے لیا اور اس کی اصلاح کر دی۔ اور اس ادارے میں خفیف سا ردّ و بدل بھی نہیں کیا۔ تاہم اطالوی نظام عدل میں اوقاف کے تنازعات کا فیصلہ عام عدالتیں ہی کرتی تھیں، کیونکہ ان کے ہاں وقف عام زمینی قوانین ہی کے ذیل میں سمجھا جاتا تھا۔

۲۳۔ اگست ۱۹۲۳ء کو سائرنیکا میں ایک اور قانون بھی جاری کیا گیا تھا، مگر اسے جلد ہی منسوخ کر دیا گیا۔

۳ جولائی ۱۹۲۱ء کو اندراج اراضی کے نئے رجسٹر جاری کیے گئے، جن میں اوقاف کی اراضی کے لیے مخصوص رجسٹر تھا۔

حکومت اٹلی نے اوقاف میں پہلی مداخلت سیاسی وجوہ کی بنا پر کی اور ۲۲ دسمبر ۱۹۳۰ء کے جاری کردہ ایک حکم نامے کے ذریعے قائد جنگ آزادی شیخ السنوسی کی تمام جائیداد کو بحق سرکار ضبط کر لیا، جس میں ان کے خاندانی اوقاف بھی شامل تھے، صرف مساجد اور قبرستانوں کی "وقفی حیثیت" برقرار رہی جنہیں "محکمۂ نظم و نسق عامہ" کی تحویل میں دے دیا گیا [2] مگر اس کے باوجود شیخ السنوسی اور ان کا خاندان "جنگ آزادی" کی قیادت سے دستکش نہ ہوئے، بلکہ اس جنگ میں اور بھی شدت آگئی، جس کے نتیجے میں پہلے اطالویں

---

[1] ایضاً، بمحل مذکور

[2] HEEFENING، بمحل مذکور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


کو (۱۹۴۲ء) اور پھر اتحادیوں کو وہاں سے کوچ کرنا پڑا اور ۱۹۵۱ء میں سید محمد ادریس السنوسی کی قیادت میں آزاد مملکت لیبیا قائم ہو گئی۔

یہ سب ممالک فی الوقت ہر قسم کے استحصالی انتداب سے آزاد ہو چکے ہیں اور فی الوقت ان سب ممالک میں "اوقاف" کے مستقل محکمے کام کر رہے ہیں۔

## ۸۔ سلطنت عثمانیہ (ترکیہ)

سلطنت عثمانیہ کے جواں ہمت ترکوں نے کئی صدیوں تک، جس طرح تن تنہا یورپین ممالک کا مقابلہ کیا اور براعظم یورپ کے قلب میں پہنچ کر شجاعت و بسالت کی داستانیں رقم کیں، یہ سب کچھ تاریخ اسلام کا ایک سنہری باب ہے، تاہم ترک فکری محاذ پر یورپ کا مقابلہ نہ کر سکے، جس کی بنا پر سترھویں صدی سے لیکر بیسویں صدی تک بہت سے اسلامی ممالک یورپین استعمار کا شکار ہو گئے۔

سلطنت عثمانیہ میں اوقاف کی تاریخ بہت قدیم ہے، جیسا کہ سطور بالا میں اس کا مختصراً ذکر آچکا ہے، یہاں جدید صورت حال پر گفتگو ہو گی۔

ترکیہ میں، انیسویں صدی کے آغاز میں اوقاف کا ایک صدر دفتر قائم کر دیا گیا تھا۔ جسے ۱۸۴۰ء میں باقاعدہ ایک وزارت کی شکل دے دی گئی۔ قانونی طور پر صحیح اوقاف اور غیر صحیح اوقاف میں فرق کیا جاتا تھا؛ اسی دور میں اوقاف کی تین اقسام کی گئی تھیں: یعنی "اوقاف" مضبوط، جن پر "وزارت اوقاف" قابض و متصرف تھی، (۲) "اوقاف ملحقہ" جن پر ان کے نجی منتظمان قابض ہوتے تھے اور وزارت اوقاف ان کی فقط نگرانی کرتی تھی۔

(۳)۔ اوقاف مستثنیٰ۔ جو کلیۃً وزارت اوقاف کی ماتحتی سے آزاد اور خودمختار رہتے۔ اس آخری قسم میں غیر مسلموں (مثلاً عیسائیوں) کے اوقاف شامل تھے۔

"سلطنت عثمانیہ" کے آخری وقت تک یہی نظم و نسق برقرار رہا۔ مگر ترکی کے دورِ جدید میں اس پر بھی نظر ثانی کی گئی اور ۳۰ مارچ ۱۹۲۴ء کے ایک سیکولر قانون (عدد ۴۲۹) کی رُو سے وزارت اوقاف کو ختم کر دیا گیا اور اوقاف کے معاملات کو فائدہ مند طریقے سے حل کرنے کے لیے، انھیں وزیر اعظم کی ماتحتی میں قائم، "مدیریہ عمومیہ" کی تحویل میں دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دیا گیا، ترقی پسند ترکوں کا یہ خیال تھا کہ ان تمام اوقاف کو قومی تحویل میں لے لیا جائے اور ان کی امتیازی حیثیت ختم کر دی جائے؛ چنانچہ ۲۲ فروری ۱۹۲۶ء کے قانون (عدد ۸۴۲) کے مطابق "اوقاف" اور رفاہ عامہ کے دیگر اداروں کا ملکی پنچایتوں کے ہاتھوں فروخت کر دینا لازم قرار دے دیا گیا۔ لہذا ۱۹۳۰ء کے قانون کے ذریعے بے شمار عمارتیں، مثلاً مسجدیں قبرستان اور پانی کے ذخیرے مقامی پنچایتوں کو مل گئے اور یوں وقف کے محکمہ کے پاس بہت تھوڑا کام رہ گیا۔[1]

**۹۔ مملکت مصر:**

سلطنت عثمانیہ کے حالات نے دوسرے اسلامی ممالک کو بھی متأثر کیا، جس کا مظاہرہ مصر میں اوقاف کی تاریخ کے مطالعے سے بخوبی ہوتا ہے۔

مصر نے "ترکوں" سے بتدریج آزادی اور خود مختاری حاصل کی اور پھر اپنی آزادی کا بھرپور دفاع بھی کیا تاہم یہاں بھی ۱۸۸۲ء سے ۱۹۲۲ء تک برطانوی انتداب قائم رہا۔ جس میں مصر کو داخلی معاملات میں نیم خود مختاری حاصل رہی۔ یہاں "اوقاف" کے نظم و نسق میں پہلی مداخلت فاطمیوں کے عہد میں ہوئی تھی، جس کا سطور بالا میں ذکر آچکا ہے، مگر ان کا زمانہ گذر جانے کے بعد یہاں اس شعبے نے بہت ترقی کی۔

اس سلسلے میں دوسری مداخلت کا سہرا محمد علی خدیو مصر کے سر ہے، جس نے تمام زرعی وقف اراضی (رزقہ) کو ضبط کر کے، موقوف علیہم کو، اس کا معاوضہ دے دیا تھا، البتہ اس نے مکان اور باغ بدستور وقف رہنے دیئے۔[2]

۱۸۵۱ء کے بعد ایک مرکزی محکمہ قائم کر دیا گیا، جسے ۱۹۱۳ء میں باقاعدہ ایک وزارت کی شکل دے دی گئی۔ ۱۸۹۵ء کے ایک حکم نامے کی رو سے تمام اوقاف کو عمومی فائدے

---

[1] ایضاً، محل مذکور

[2]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے لیے ایک مرکزی نظام کے ماتحت کر دیا گیا، جس میں خاندانی اوقاف بھی شامل تھے۔ ۱۹۲۴ء کے بعد وزارت اوقاف براہِ راست پارلیمنٹ کے زیرِ اختیار آگئی۔

بعدازاں ۱۹۲۶ - ۱۹۲۷ء کے سالانہ بجٹ پر بحث کے دوران دو آرا سامنے آئیں، ایک یہ کہ خاندانی اوقاف کو ان کے بانیوں کی وفات کے تیس سال بعد تک برقرار رہنے دیا جائے اور بعدازاں انھیں موقوف علیھم کی ملکیت قرار دے دیا جائے۔ جبکہ دوسری تجویز یہ تھی کہ ان اوقاف کو سرے سے ختم کر دیا جائے، دونوں میں سے کوئی تجویز بھی پاس نہ ہوئی، بلکہ یہ دونوں تجاویز ایک کمیٹی کے سپرد کر دی گئیں، جو ۱۹۲۸ء میں پارلیمنٹ ٹوٹ جانے کے باعث کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔

قدرتی طور پر ان تجاویز پر مذہبی حلقوں میں شدید ردّعمل ہوا، اور علمائے کرام اور مذہبی لوگ حکومت کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعدازاں ۱۹۵۲ء کے انقلاب کے بعد اس مسئلے کا فیصلہ ہوا اور ایسی تمام اراضی کو سرکاری تحویل میں لے کر فلاحین (مزارعین) میں تقسیم کر دیا گیا۔[1]

۱۰۔ روس:

آج سوویت یونین جس رقبے پر محیط ہے، اس میں بہت سا رقبہ اسلامی ریاستوں اور حکومتوں کا بھی شامل ہے، جنھیں یا تو زار روس نے اپنے قبضے میں لیا، یا پھر بالشویکیوں نے انھیں اپنے قبضے میں لے لیا۔

زار روس نے پہلے ہی کریمیا میں اوقاف کا نظم و نسق روسی افسروں کے سپرد کر دیا تھا اور پھر ترکستان کے اوقاف کو روسی تارکین وطن میں تقسیم کر دیا تھا۔ بعدازاں بالشویکیوں نے تمام اوقاف کو سرکاری ملکیت میں لے لیا گیا اور ان پر نجی انتظام کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔ فی الوقت بھی روس میں یہی حالات ہیں، تاہم افغانستان میں روس کے خلاف طاقتور

---

[1] ایضاً۔ بمحل مذکور؛ حسن ابراہیم: تاریخ مصر السیاسی، قاہرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ردِ عمل کے نتیجے میں روس کی مسلم ریاستوں میں بھی " احیاے مذہب " کی تحریک شروع ہے، جس کا روس کی اعلیٰ سطح پر سنجیدگی سے نوٹس لیا جا رہا ہے، ہو سکتا ہے، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو اپنے مذہبی معاملات کی حد تک خود مختاری حاصل ہو جائے[1]

۱۱۔ برِ اعظم پاک و ہند (قیام پاکستان سے پہلے):

سترھویں صدی عیسوی تک ہندوستان پر "خاندانِ مغلیہ" کی حکومت کا عہدِ شباب تھا، اس لیے اس وقت تک نہ تو کسی بیرونی حملہ آور کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی اور نہ ہی کسی اندرونی طاقت کو سر اٹھانے کا موقعہ ملا۔ مگر اٹھارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے (۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۵ء) میں سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات اور اس پر طرہ ان کی اولاد کی حصول اقتدار کے لیے باہمی جنگ نے بیرونی اور اندرونی طاقتوں کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ پون صدی کے اندر ہندوستان کا سیاسی نقشہ ہی بدل گیا اور برطانوی طالع آزماؤں نے جو ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے نام سے بغرض تجارت یہاں آئے تھے، اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا مکر و فریب سے آہستہ آہستہ پورے ملک پر قبضہ جما لیا۔ ہندوستان کے دو حکمرانوں نے ان کے خلاف ثابت قدمی دکھائی، مگر ان میں سے ایک کو ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں (نواب سراج الدولہ) اور دوسرے کو جنگ سرنگاپٹم (۱۷۹۹ء) میں (سلطان ٹیپو) شہید کر کے ہندوستان پر راج کرنے کے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا۔

انگریزوں نے شروع شروع میں مسلمانوں کے "مذہبی قوانین" کو قطعاً نہ چھیڑا، البتہ جب سیاسی طور پر ہندوستان پر ان کی گرفت مضبوط ہو گئی، تو آہستہ آہستہ انکی دخل اندازی بڑھتی گئی اور اسلام کا قانونِ وقف بھی اسی زمرے میں شامل ہے۔

جیسا کہ سطور بالا میں بالتفصیل گذر چکا ہے، اسلام میں اوقاف کی دو اقسام ہیں: "اوقاف خیری" اور اوقافِ اہلیہ۔ مؤخر الذکر سے مراد اپنے اہل خاندان (اولاد) اور

---

[1] HEEFENING، بمحل مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اپنے اعزہ کے لیے وقف قائم کرنا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت نے "اوّل الذکر" کو تو بحالہ رہنے دیا، البتہ مؤخر الذکر کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔

بقول قائد اعظم محمد علی جناح اس دخل اندازی کی ابتدا ۱۸۳۸ء سے ہوتی ہے، اس سال ایک عدالت نے فیصلہ صادر کیا، کہ "خاندانی وقف" (وقف علی الاولاد) کا اسلامی قانون خلاف ضابطہ ہے، پھر ۱۸۷۳ء بمبئی ہائی کورٹ نے بھی اسی قسم کا فیصلہ صادر کیا، جس کے بعد تو اس قسم کے فیصلوں کا تانتا بندھ گیا[۲] ایک مقدمہ میں جو از طرف میر محمد اسماعیل خان بنام منشی چرن گوش تھا، مشہور مسلم سکالر سید امیر علی بھی شریک فیصلہ تھے۔ انہوں نہایت مستند حوالوں سے اس کے جواز کے حق میں دلائل لکھے، مگر حکام پریوی کونسل نے ان کے دلائل کو ردّ کر دیا۔ اسی طرح کے متعدد مقدمات پریوی کونسل کے پاس گئے۔ مگر حکام ٹس سے مّس نہ ہوئے۔ اس ضمن میں سب سے مشہور فیصلہ وہ ہے۔ جو حکام نے مقدمہ ابوالفتح محمد اسحاق بنام اسمیا چودھری ۲۳ نومبر ۱۸۹۴ء کو صادر کیا[۳]

اس فیصلے کی بنیاد اس بات پر تھی، کہ چونکہ انگریزی لفظ خیرات (CHARIT) فقط فقرا اور بیگانوں کے لیے مخصوص ہے، اور اولاد اور اپنے خاندان کو کچھ دینا، ان کے ہاں لفظ خیرات میں شامل نہیں، لہذا اس سے انہوں نے اسلام کے "قانون وقف علی الاولاد" کو باطل قرار دیا۔ ہر چند وکلائ نے ان کے سامنے مستند روایات پیش کیں، لیکن انہوں نے اپنے ہی موقف پر اصرار کیا۔ چنانچہ جسٹس ٹریولین نے ایک مقدمہ میں واضح طور پر لکھا کہ:

"میں لفظ خیرات کو انگریزی لفظ (CHARIT) کے مطابق ہی سمجھتا ہوں اور اس مفہوم کے مطابق انگریزی عدالتوں میں اور انگریزی ترجموں میں اس

---

[۱] شیخ گلاب دین (پلیڈر چیف کورٹ لاہور): قانون وقف علی الاولاد، مطبوعہ حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور، ص ۱۔

[۲] شبلی نعمانی: مقالات، ۱: ۸۲ - ۸۳۔ مطبوعہ اعظم گڑھ بار اول۔

[۳] انڈین لاء رپورٹ، جلد ۲۲، ص ۷۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا استعمال ہوتا ہے، مجھ سے چاہا گیا ، کہ میں لفظ خیرات کے مفہوم کو مسلمانوں کے مفہوم کے موافق سمجھوں، یعنی ایک دوسری زبان کا لفظ استعمال کروں جس کا مفہوم اس زبان کے مفہوم کے خلاف ہو۔[1]

برطانوی حکومت کی جانب سے یہ اقدام صریحاً مسلمانوں کے مذہبی قوانین کے خلاف تھا اور مذہبی آزادی کے صریحاً منافی ۔ اسی لیے اس اقدام کے خلاف پورے ہندوستان میں شدید ردِ عمل ہوا ، اکثر اسلامی انجمنوں نے اس کے خلاف قرار دادیں پاس کیں اور حکام بالا کو مسلمانوں کی ناراضگی اور بےچینی سے آگاہ کیا، مثال کے طور پر آل انڈیا مسلم لیگ نے متفقہ طور پر ایک قرار داد کے ذریعے حکومت ہند پر زور دیا، کہ وہ مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرے اور اس قانون کو منسوخ کرکے، مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا آئینہ دار قانون وضع کرے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۰۶ء میں قائد اعظم کی اس موضوع پر تقریر کو بے حد سراہا گیا تھا، اسی طرح ندوۃ العلماء نے ہزاروں مسلمانوں کے دستخطوں سے کر حکومت ہند کو ایک میموریل (یادداشت) ارسال کی، جس میں حکومت کو مسلمانوں کی تشویش سے آگاہ کیا گیا تھا، اس یادداشت میں یہ مذکور تھا کہ:

"گذشتہ چند سالوں سے اس مسئلہ کے متعلق مسلمانوں میں سخت بےچینی پھیلی ہوئی ہے جو مختلف طریقوں سے ظاہر کی گئی ہے ، مسلم لیگ سنیوں اور شیعوں کے متعدد جلسوں میں ریزولیوشن پاس کرکے اس بارے میں گورنمنٹ سے قانون وضع کرنے کی استدعا کی گئی ہے ؛ خان بہادر مولوی محمد یوسف نے جو کلکتہ ہائی کورٹ کے جید وکیل اور قانونِ اسلام کے بڑے ماہر ہیں، کچھ عرصہ ہوا، اس بارے میں ایک بسیط رسالہ[2] لکھ کر گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ رائٹ آنریبل سید امیر علی

---

[1] انڈین لاء رپورٹ ، جلد ۲ ، کلکتہ ، ص ۲۰ ، و بعد۔

[2] اس رسالے کے متعلق علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔ کہ اولاً تو یہ رسالہ نہایت طول طویل اور حشو و زوائد سے پر تھا، ثانیاً اس رسالے کی اطلاع بجز محدود ایسوسی ایشنوں کے ۔ عام لوگوں کو نہیں ہوئی۔ اسلیے اس کا قرار واقعی اثر نہ ہوا (مقالات شبلی جلد اول)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


نے بھی اس مسئلے کے متعلق ایک واضح اور زبردست مضمون لکھا ہے اور سید حسین بلگرامی نے جو تھوڑا عرصہ ہوا ، سکرٹری آف سٹیٹ کی انڈیا کونسل کے ممبر تھے ، اس مسئلے کے متعلق لارڈ مارلے سے بھی عرض معروض کی تھی[1]

اس میموریل کا حوالہ قائد اعظم نے پریوی کونسل کے سامنے دیتے ہوئے ، علامہ شبلی نعمانی کے متعلق جو ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے ، حسب ذیل تعریفی کلمات لکھے :

"اس کی ایک کاپی علامہ شبلی نعمانی نے میرے پاس بھی بھیجی ہے ، علامہ شبلی ایک جید مولوی ہیں اور مسلمانوں میں ان کا رسوخ ہے اور مسلمان ان کی رائے کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ اس میموریل میں علامہ موصوف نے اس مسئلہ کے متعلق تمام اسناد کو درج کیا ہے اور اس معاملے کی نسبت مسلمانوں میں جو سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے ، اس کو بھی ظاہر کر دیا ہے"[2]

## قائد اعظم محمد علی جناح کی قابل قدر کاوش :

اس ساری صورت حال کو دیکھتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناح نے ، جو اس وقت امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے منتخب شدہ رکن اور ایک فعال سیاسی کارکن تھے ، ۱۷ مارچ ۱۹۱۱ء کو انہوں نے اپنا مشہور و معروف مسودۂ قانون پیش کیا ، جس کی تیاری میں انہوں نے مسلم فقہاء کی کتابوں کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا ؛

اس نامور بیرسٹر نے اپنے وزنی دلائل کے ذریعے نہ صرف حکام بالا کو متأثر کیا ، بلکہ معاصر ہند و وکلا بھی اس حد تک متأثر ہوئے ، کہ وہ بھی اس کی حمایت پر مجبور ہو گئے ۔ قائد اعظم نے حکومت کے سامنے ، نہ صرف دلائل پیش کیے ، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قانون کا مسودہ بھی بنا کر پیش کیا ، جس کے متعلق انہوں نے یہ صراحت کی ، کہ یہ مسودۂ قانون کوئی نیا قانون نہیں ہے بلکہ یہ قدیم زمانے سے چلے آنے والے اسلامی قانون ہی کی بحالی ہے ؛ اس طرح

---

[1] قانون وقف علی الاولاد ، مرتبہ شیخ گلاب دین ، ص ۲ ۔ ۳

[2] قانون وقف علی الاولاد ، ص ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گویا انہوں نے اس مسودے کی تمام دفعات قرآن وسنت سے اخذ کی تھیں۔[۱]
مسٹر جناح کی تجویز پر اس مسودۂ قانون کو مشتہر کرنے اس پر عامۃ الناس کی رائے لینے کا فیصلہ ہوا ؛ اور رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں باقاعدہ قانون بن گیا۔

اس مسودۂ "قانون" کی ۱۲ دفعات تھیں اور یہ بارہ دفعات "حنفی فقہ" کے "قانون" وقف علی الاولاد" کا ایک جامع خلاصہ ہے۔ اس قانون کی دفعات افادۂ عام کے اس مضمون کے ساتھ بطور تتمہ شامل ہیں بہرحال اس مسودۂ قانون کی منظوری ہندوستانی مسلمانوں کی بالعموم اور قائداعظم کی بالخصوص بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس طرح حکومت برطانیہ کو اپنا یہ اقدام واپس لینا پڑا۔

## ۲۔ قیام پاکستان کے بعد کی صورت حال :

تقسیم برعظیم پاک و ہند کے موقع پر جون ۱۹۴۷ء میں، آل انڈیا مسلم لیگ، آل انڈیا نیشنل کانگریس اور سکھوں کے نمائندوں کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا، اس میں باشندگانِ ملک کے مذہبی اور شہری حقوق کی حفاظت کا واضح الفاظ میں اعلان کیا گیا تھا، چنانچہ تادم تحریر چند استثنائی معاملات کے سوا دونوں (یا ۱۹۷۱ء سے تینوں بشمول بنگلہ دیش) میں ایک دوسرے کے اوقاف کی حفاظت کی جا رہی ہے اور چونکہ یہ مسئلہ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات سے متعلق ہے، اس لیے اس میں جوابی قدم کی بھی گنجائش نہیں۔[۲]

البتہ ہندوستان کے مسلمان حکومت کے بعض متعصبانہ اقدامات کے شاکی ہیں، مثال کے طور پر "بابری مسجد" کے معاملے میں، جس پر ہندو مندر بنانے کے مدعی ہیں اور عدلیہ سے انہوں نے اپنی مرضی کا فیصلہ کرایا ہے، سارے ہندوستان کے مسلمان مشتعل ہیں اور حکومت کے جبر و استبداد کے باوجود "مسجد" کے معاملے سے دستکش ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اور یہ مسئلہ ابھی تک ایک نزاعی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اسی طرح کے اور تنازعات بھی پیدا ہوتے رہتے

---

[۱] قانون وقف علی الاولاد، ص ۳۔

[۲] مفتی محمد شفیع : اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۶۰ - ۱۶۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، البتہ نجی مذہبی معاملات، مثلاً مدارس عربیہ، مساجد، رفاہی اداروں وغیرہ میں حکومت کم ہی مداخلت کرتی ہے۔

پاکستان میں "مسلم اوقاف" کے انتظام و انصرام کے لیے مرکزی اور صوبائی سطح پر وزارت اوقاف قائم ہے جو مسلم اور غیر مسلم اوقاف کی نگرانی اور ان کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس وزارت اور اس کے ذیلی شعبہ جات کو منظم کرنے کا زیادہ تر سہرا فیلڈ مارشل ایوب خان (۱۹۵۸ تا ۱۹۶۸ء) کے سر ہے، جس کے دورِ صدارت میں نہ صرف اس محکمہ کی تدوین ہوئی بلکہ اس کے اصول و ضوابط بھی وضع کیے گئے۔ ان اصول و ضوابط کے ذریعے یہ فیصلہ کیا گیا، کہ

۱۔ ایسے اوقاف، جن کے وقف کنندہ فوت ہو چکے ہیں اور ان کے نامزد کردہ نگران بھی باقی نہیں رہے، بشرطیکہ وہ اوقاف "وقف علی الاولاد" کے زمرے میں شامل نہ ہوں، تو ان سب کو محکمہ اوقاف اپنی تحویل میں لے گا،

۲۔ محکمہ اوقاف زیر تولیت مساجد، مقابر اور دیگر اوقاف کی نہ صرف تمام آمدن کا نگران ہوگا، بلکہ ان کے انتظام و انصرام اور دیکھ بھال کرنے کی بھی ذمہ داری بھی اسی کی ہوگی۔ محکمہ ایک چیف ایڈمنسٹریٹر کے تحت کام کرے گا[1]

چنانچہ فی الوقت ہزاروں قدیم مساجد، مزارات اور دیگر رفاہی اداروں کی نگرانی اور دیکھ بھال اسی محکمہ کے سپرد ہے۔

مساجد اور مزارات کی دیکھ بھال کے علاوہ متعدد دینی و مذہبی و رفاہی ادارے بھی اس محکمہ کے ماتحت کام کر رہے ہیں، مثال کے طور پر علماء اکیڈمی اور مختلف مزارات پر قائم شفا خانے۔ کتاب خانے اور دیگر رفاہی ادارے وغیرہ۔ اس طرح اس محکمے کا سالانہ بجٹ فی الوقت کروڑوں روپیوں پر محیط ہوتا ہے[2]

---

[1] ملاحظہ ہو نوٹیفیکیشن مجریہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء، دفعات، ۱-۲ وبعد۔

[2] سالانہ بجٹ محکمہ اوقاف پنجاب ۱۹۸۸-۱۹۸۹ء تمہید اور آگے کی تفصیل۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تتمہ (۱)

# مسوّدہ قانون

## جواز وقف علی الاولاد نمبر ۹ سنہ ۱۹۱۱ء

چونکہ ایسے اوقاف کے جواز کی نسبت جن کو اہل اسلام نے شرع محمدی اور رسم و رواج ملک کے مطابق اپنے اور اپنے اہل خاندان اور اولاد اور بالآخر غربا اور مساکین کے فائدہ یا دیگر مذہبی یا خیراتی اغرض کے واسطے قائم کیا تھا۔ بعض شکوک پیدا ہوئے ہیں۔ اور چونکہ قرین مصلحت ہے کہ یہ شکوک رفع کیے جائیں۔ اور وہ حدود مقرر کر دی جائیں۔ جن کے اندر ایسے وقف عمل میں آسکیں۔ لہٰذا احکام ذیل صادر ہوتے ہیں۔

**دفعہ ۱** - ۱۔ اس ایکٹ کا نام جواز وقف علی الاولاد سنہ ۱۹ء ہے۔

۲۔ یہ ایکٹ کل برٹش انڈیا میں نافذ ہوگا۔

**دفعہ ۲** - تاوقتیکہ مضمون یا سیاق عبارت سے اس کے خلاف نہ پایا جائے مندرجہ ذیل اصطلاحات سے حسب ذیل معنی مراد لیے جائیں گے۔

۱۔ "وصیّت" سے موصی کے ارادہ کا اظہار قانونی مراد ہے۔ جس پر وہ چاہتا ہو کہ اس کی وفات کے بعد عملدرآمد ہو۔

۲۔ "دستخط" میں نشان کرنا داخل ہے۔

۳۔ رجسٹری شدہ سے برٹش انڈیا میں قانون نافذ الوقت دربارہ رجسٹری دستاویزات کے رو سے رجسٹری ہوا ہوا مراد ہے۔

۴۔ "رجسٹرار" سے وہ افسر مراد ہے۔ جو لوکل گورنمنٹ کی طرف سے دستاویزات کی رجسٹری کے واسطے مقرر ہو۔

۵۔ "نابالغ" اوس شخص کو کہیں گے۔ جو ایکٹ بلوغت مصدرہ سنہ ۱۸۷۵ء کے رو سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


عمر بلوغت کو نہ پہنچا ہو۔

۶۔ "جائیداد غیر منقولہ" میں اراضیات۔ عمارات۔ مواجب موروثی اور جملہ حقوق و مفاد داخل ہیں۔ جو اراضی سے حاصل ہوں۔

۷۔ "جائیداد منقولہ" میں سرمایہ حصص۔ کفالت نامجات دعاوی قابل نالش جس طرح کہ ایکٹ انتقال جائیداد مصدرہ ۱۸۸۲ء میں ان کی تعریف کی گئی ہے اور ہر نوعیت کی جائیداد سوائے جائیداد غیر منقولہ کے داخل ہے۔

۸۔ "وقف" سے یہ مطلب ہے۔ کہ کوئی مسلمان اپنی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کو کسی ایسی غرض کے واسطے مخصوص کر دے جو شرع اسلام کے بموجب مذہبی یا خیراتی کہی جا سکے اور اُس سے اس کے حقوق مالکانہ ہمیشہ کے لیے متروک سمجھے جائیں۔

۹۔ "واقف" اس شخص کو کہیں گے جو وقف کرے۔

۱۰۔ "وقف نامہ" سے ایسی دستاویز مراد ہے۔ جس کے ذریعہ سے وقف کیا جائے۔

۱۱۔ "متولی" اس شخص کو کہیں گے جو جائیداد موقوفہ کے انتظام کے واسطے مقرر کیا جائے۔

۱۲۔ "حنفی مسلمان" سے ایسا مسلمان مراد ہے۔ جو امام ابو حنیفہؒ کی رائے اور اقوال کا پیرو ہو۔

دفعہ ۳۔ ہر مسلمان جو نابالغ یا فاترالعقل نہ ہو اس ایکٹ کے احکام کی پابندی کے ساتھ اپنی تمام جائیداد یا اس کا کوئی جزو اعراض ذیل کے واسطے وقف کرنے کا مجاز ہے۔

الف۔ کلاً یا جزاً اپنے اہل خاندان اور اولاد کی پرورش اور امداد کے واسطے۔

ب۔ اگر واقف حنفی ہو تو حین حیات خود اپنی پرورش و امداد کے واسطے مگر شرط یہ ہے کہ اور جائیداد موقوفہ کے منافع و کرایہ سے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے۔ ہر ایسی صورت میں جائیداد موقوفہ صراحتاً یا معناً آخر میں ہمیشہ مساکین کے فائدہ یا کسی دائمی غرض مذہبی یا خیراتی کے واسطے مستقل طور پر محفوظ کی گئی ہو۔

دفعہ ۴۔ کوئی وقف جس کا نفاذ واقف کے حین حیات میں ہوتا ہو۔ اس وقت تک جائز نہ ہوگا۔ جب تک اس کی تکمیل ایک تحریری وقف نامہ کے ذریعہ سے نہ ہو جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جس پر واقف کے دستخط اور کم سے کم دو آدمیوں کی گواہی ثبت ہو اور جس کی رجسٹری طریقہ ذیل کے بموجب کرائی جائے۔

دفعہ ۵۔ وقف نامہ قانون رجسٹری نافذالوقت کے مطابق تاریخ تحریر سے چار مہینے کے اندر رجسٹری کے واسطے پیش ہونا چاہیے۔ اور اگر رجسٹرار کا اطمینان ہو جائے کہ اس کی تحریر میں احکام ایکٹ ہذا کی پوری پوری تعمیل کی گئی ہے۔ تو وہ اس کی رجسٹری کرا دے گا اور وقف تحریر دستاویز کی تاریخ سے موثر سمجھا جائے گا۔

دفعہ ۶۔ ہر وقف نامہ کے ساتھ جو رجسٹری کے واسطے پیش کیا جائے۔ مندرجہ ذیل دستاویزات منسلک ہونی چاہئیں۔

الف۔ ایک مکمل تعلیقہ جس سے جائیداد موقوفہ کا پتہ یعنی حدود وغیرہ اور اس کی قیمت جو تکمیل کنندہ دستاویز کے علم و یقین میں صحیح ہو ظاہر ہو سکے۔

ب۔ ایک تعلیقہ دیگر جائیداد واقف کا معہ ہر ایک کی قیمت کے جو کہ اس کے علم و یقین میں صحیح ہو۔

ج۔ ایک تعلیقہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ جائیداد موقوفہ پر رہن یا دیگر مواخذہ کس قدر ہے جو خود واقف نے یا اس شخص نے جس کے ذریعہ سے واقف حق حاصل کرتا ہے جائیداد پر ڈالا ہے اور نیز آیا کوئی ڈگری یا ڈگریاں اس جائیداد پر واقف یا اس کے دوسرے شخص کے خلاف ہیں۔ جس کے یا جن کے اجرا میں جائیداد موقوفہ مستوجب نیلام ہو۔

دفعہ ۷۔ ۱۔ اگر رجسٹرار کو دستاویزات مذکورہ بالا سے جن کی تصدیق قانون کے مطابق ہونی چاہیے۔ یا شہادت مزید سے جس کو طلب کرنا وہ مناسب سمجھے ثابت ہو جاوے کہ بار رہن یا دیگر مواخذہ یا ڈگریاں جن کا ذکر دفعہ ۶ میں ہے۔ اس کی پوری جائیداد پر حاوی نہیں ہیں۔ جس کو وقف کرنا منظور ہے۔ یا اس کی رائے میں واقف کی دیگر جائیداد اس قدر ہے۔ کہ اس سے وہ ادا ہو سکتی ہیں۔ تو وہ اس بارہ میں ایک تجویز تحریر کر کے وقف نامہ کی رجسٹری کر دیگا۔

۲۔ اس تحقیقات میں جو اس دفعہ کے بموجب کی جائے رجسٹرار واقف اور گواہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کا بیان حلف سے لے سکتا ہے۔ اور ایکٹ رجسٹری ۱۹۰۸ء کی وہ دفعات جو گواہوں کے جبراً حاضر کرانے کی نسبت ہیں۔ کار دائی مذکورہ سے بھی متعلق ہوں گی۔

دفعہ ۸۔ اگر تحقیقات کے بعد رجسٹرار کو ثابت ہو جائے۔ کہ بار رہن یا ڈگریاں اس جائیداد کی قیمت سے زیادہ ہیں۔ جس سے ان کا روپیہ ادا ہو سکے۔ تو وہ وقف نامہ کی رجسٹری کرنے سے انکار کرے گا۔ اس انکار کی وجہ تحریر کرے گا۔

دفعہ ۹۔ ایسی صورت میں رجسٹرار کے حکم کی اپیل صدور حکم کی تاریخ سے تیس دن کے اندر افسر مقررہ کے پاس دائر ہو گی۔ جس کو اختیار ہے۔ کہ رجسٹرار کے حکم کو منسوخ کرے۔ یا ترمیم کر دے۔ یا جو حکم مناسب سمجھے صادر کرے۔

دفعہ ۱۰۔ اگر واقف کا یہ ارادہ ہو کہ وقف اس کی وفات کے بعد مؤثر ہو تو ایسا وقف ایک وصیت نامہ کے ذریعہ سے تکمیل پائے گا۔ جس پر واقف اور کم سے کم دو گواہوں کے دستخط ضروری ہیں۔

دفعہ ۱۱۔ ایسے وصیت نامہ کی رجسٹری خود موصی یا کوئی شخص کرا سکتا ہے جو وصیت نامہ کے رد سے وصی یا متولی یا جائیداد سے متمتع ہونے کا دعوے کرے اور حصہ ۸ ایکٹ رجسٹری ۱۹۰۸ء اور نیز اس ایکٹ کی دفعات ۶۔ ۷ بھی وصیت نامہ کی رجسٹری سے متعلق ہوں گی۔

دفعہ ۱۲۔ جرائم ایکٹ ہذا کے لیے وہی سزائیں ہیں جو ایکٹ رجسٹری ۱۹۰۸ء میں مقرر کر دی گئی ہیں

---

# اغراض و مقاصد مسودہ

اس مسودہ کی غرض یہ ہے۔ کہ وہ مجبوری اور دقت جو پریوی کونسل کے حال کے فیصلہ بمقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق بنام رسمری دہر چودھری (لا رپورٹ انڈین اپیل صفحہ ۷۶ اور نیز دیگر فیصلوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ رفع ہو جا دے۔ ان فیصلوں سے مسلمانوں کا اپنی جائیداد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو اپنے اہل خاندان اور اولاد پر وقف کرنے کا استحقاق جس کو شرع اسلام میں وقف علی الاولاد کہتے ہیں بالکل کمزور ہوگیا ہے۔

مقدمہ مذکورہ بالا میں یہ اصول قرار پایا ہے۔ کہ شرع اسلام کے مطابق ایک دائمی انتظام جائیداد کا جو ظاہراً بطور وقف کے کیا گیا ہے۔ محض اس وجہ سے جائز اور مستند نہیں ہو سکتا کہ بالآخر غربا اور مساکین اس سے متمتع ہوں گے۔ اور یہ فیصلہ ایک دوسرے فیصلہ کا موید ہے جو بمقدمہ احسن اللہ چودہری بنام امرچند کنڈو (لا رپورٹ انڈین اپیل ۱۷ صفحہ ۲۷) صادر ہوا تھا۔ جس کے اصول کی تائید ایک بعد کے فیصلہ عبد الغفور بنام نظام الدین (لا رپورٹ انڈین اپیل ۱۹ صفحہ ۱۸۰) میں ہوئی۔ جس میں قرار پایا کہ یہ جائز وقف نہیں ہو سکتا۔ جب تک جائیداد کا ایک معقول حصہ اغراض خیراتی کے واسطے کسی وقت استعمال ہونے کے واسطے مخصوص نہ کر دیا جائے۔

مگر فیصلہ مذکور میں کوئی تعیین وقت نہیں صرف "کسی وقت" لکھا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ "جائیداد کا معقول حصہ مخصوص کر دینے" سے کیا مطلب ہے۔ اس سے قانون میں ایک بہت بڑا شک پیدا ہوگیا ہے۔ علاوہ اس کے فیصلجات مذکورہ صحیح اصول فقہ کے بالکل خلاف ہیں۔ پس اس مسودہ کی غرض صرف اس قدر ہے کہ قانون وقف علی الاولاد کی تدوین کی جائے۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ وقف نامہ قانون کے مطابق تحریر پائے اور واقف اپنے قرض خواہوں وغیرہ کو فریب نہ دے سکے۔ مسودہ کی یہ غرض نہیں کہ عام قانون وقف کی تدوین یا تعیین کی جائے۔ بلکہ وقف پر تو ہر حال میں شرع اسلامی حاوی رہے گی۔ اس کا مضمون بہت سادہ ہے۔ مگر ضروری دفعات کی تشریح حسب ہے دفعہ ۳ کا یہ منشا ہے کہ ہر مسلمان اپنی جائیداد وقف کرنیکا مجاز ہے۔

دفعات ۴ ۵ کی یہ غرض ہے کہ وقف نامہ باضابطہ طور پر تکمیل پائے اور واقف اپنے قرض خواہوں وغیرہ کو فریب نہ دے سکے۔

دفعہ ۱۰ وقف بالوصیت سے متعلق ہے۔

دفعہ ۱۱ وصیت نامہ کی رجسٹری سے متعلق ہے۔ اور یہ کہ کون لوگ رجسٹری کرانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


کے مجاز ہیں۔

دستخط

ایم۔ اے جناح

مورخہ ۱۵ ر مارچ ۱۹۱۱ء

دستخط

ایم جے۔ ایم میکفرسن صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند۔

---

(۲) وقف علی الاولاد

# ایک پُرانا وقف نامہ

منکہ محمودہ بیگم بنت محمد نصر اللہ قوم قریشی سکنہ آگرہ۔

۱۔ من مقرہ بدرستی ہوش و حواس خود اقرار کر کے لکھ دیتی ہوں کہ جائیداد مندرجہ فہرست صرف ا منسلکہ دستاویز ہذا کی مقرہ بلا شرکت غیرے مالک و قابض ہے۔ جائیداد مذکورہ صدر کی آمدنی و پیداوار میں سے اوّل اس کی وصولی وغیرہ کے اخراجات و معاملہ وغیرہ ادا کرنے کے واسطے رکھ لیا کرے گی۔ جو میری پرورش و پارچات وغیرہ کے واسطے کافی ہو اور مابقی قابل وراثت و خیراتی اغراض میں صرف ہوگا۔ میرے قرابت داران یعنی میرے پوتے۔ پڑپوتے۔ بہو۔ اور میری دختر زادی اور ان کی اولاد جو اس وقت مجھ سے گذارہ پاتے ہیں اور کھانے پینے میں میرے ہمراہ ہیں۔ اسی طرح گذارہ پاتے رہیں گے۔ آمدنی و منافع کی کی کمی بیشی کے لحاظ سے گذارہ پانے والوں کی تعداد کی کمی بیشی میری اقتضائے رائے پر ہوگی۔ مسجد کی مرمت۔ موذن و خطیب کی تنخواہیں اور اس کے متعلق دیگر اخراجات رمضان و عیدین آمدنی و پیداوار سے ادا کئے جائیں گے۔

جو متولی بعد میں مقرر ہوگا۔ اس کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو مقرہ کو حاصل ہیں۔

۲۔ جب تک میں زندہ ہوں میں متولی رہوں گی۔ میری وفات کے بعد میرا نبیرہ مسمّی عبداللہ متولی ہوگا۔ عبداللہ کی وفات کے بعد میرے رشتہ داروں میں سے جو قابلیت۔ راستبازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میانہ روی اور عزت میں سب سے زیادہ ہو متولی ہونے کا مستحق ہوگا۔

۳۔ میری وفات کے بعد نہ میرے کسی وارث کو اور نہ کسی متولی کو یہ حق ہوگا کہ جائیداد مذکورہ صدر کو بذریعہ بیع یا رہن یا ہبہ یا کسی اور نہج سے منتقل کرے۔ جائیداد مذکورہ صدر کا جس قدر حصہ قابل وراثت اور خیراتی وغیرہ امور میں صرف کیا جائیگا وہ میرے زیر ہدایت وزیر نگرانی صرف ہوگا۔

---

(۳۔ خیراتی وقف)

# ترجمہ وقف نامہ مسجد وزیر خان لاہور[لہ]

## ھُوَاللہ

جس خدا نے اپنے بندوں کو نیک چیزیں باقی چھوڑنے کی توفیق بخشی وہ ہر حمد کا سزاوار ہے اور رحمت وسلام الٰہی اُس کے رسول محمد صلعم پر نثار ہے جنہوں نے مخلوق کو پاک مال کے راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی اور ان کے آل واصحاب پر جو نیکیوں کے معدن اور خوبیوں کے مخزن ہیں۔

بعد ازیں یہ اس بات کا بیان ہے کہ درگاہ خداوندی کے نیاز مند حکیم علم الدین المخاطب بہ وزیر خان ولد شیخ عبداللطیف پسر شیخ حسام الدین انصاری نے اپنی خالص املاک اور پاک مال میں سے بحالت صحت وکامل العقل ہونے اور اپنے ہر ارادہ پر قادر ہونے کے بخوشی خود وقف وتصدق کیا اور یہ چیزیں حسب ذیل ہیں :

پوری جامع مسجد اپنے زیر اثر مقامات اور جائز آمدنیوں کے ساتھ اور اس پاک جگہ کو ہمیشہ قائم رکھنے کے لیے اپنی مسجد مذکور کے ضروری اخراجات وحاجات پر دو رستہ کی تمام دکانیں معہ بالا خانوں۔ کپڑوں۔ سرائے کلاں۔ حمام۔ دو چرخ دار کنوؤں اور چند

---

لہ اس وقف نامہ کا وقف علی الاولاد سے کوئی تعلق نہیں صرف پرانے زمانہ کا طریقہ تحریر وقف نامہ ظاہر کرنے کے لیے یہاں درج کیا گیا ہے (مؤلف)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



زمین کے قطعات کو کہ ان سب ذکر کئے گئے مقامات میں سے ہر ایک کی حدیں ظاہر و نمایاں اور علامتیں پیدا و عیاں ہیں۔ اور سب دار السلطنت لاہور کے اندر واقع ہیں۔ وقف کر دیا۔ وقف صحیح۔ لازم۔ خالص۔ کامل۔ جو نہ بیع کیا جا سکتا ہے۔ نہ کسی کو یونہی بخشا جا سکتا ہے۔ نہ مہر میں دیا جا سکتا ہے۔ نہ ترکہ و میراث میں منتقل ہو سکتا ہے۔ نہ کسی کی ملکیت بن سکتا ہے کسی وجہ یا سبب سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ خدائے پاک روئے زمین کا وارث اور وہ بہترین وارث ہے اور وقف کا آخری حصہ مسلمان فقیروں پر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com